بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحن أعلم بما يقولون وما أنت عليهم بجبار فذكر بالقرآن من يخاف وعيد

(پ ۲۶، ق ۴۵)

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی نادر علمی پیشکش

# دوازدہ احادیث

۱۲- احادیث نبویہ کی قرآن کی روشنی میں صحیح تعلیم و تفہیم

اہل سنت کے خلاف ان روایات کے حوالوں سے غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں

من يهد الله فهو المهتد ومن يضلل فلن تجد له وليًا مرشدًا (الکہف: ۱۷)

جس کو راہ دیوے اللہ وہی ہے راہ پر اور جس کو وہ راہ نہ دے پھر تو نہ پائے اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا


تالیف

محقق العصر جسٹس

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر



محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

# مقدمہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد!

تاریخ میں شیعانِ علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اس گروہ کو کہا گیا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلافت پر آنے سے پہلے لوگوں میں بنو امیہ اور بنو ہاشم کے مابین سیاسی فاصلے قائم کرنا چاہتے تھے۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو امیہ میں سے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بنو ہاشم میں سے۔۔۔۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں دونوں ایک جیسے بزرگ تھے۔ مگر کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھے بغیر ان کے گرد عقیدت کے ایسے دائرے کھینچ لیے تھے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ پھر یہ لوگ برسرِ عام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیخلاف اٹھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھے بغیر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کے جھنڈے اٹھا لیے اور بالآخر آپ کو شہید کر کے دم لیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما آخر دم تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ یہ حضرات خود باغیوں کے خلاف اس لیے نہ اٹھے کہ اسلام میں امیر المؤمنین کی اجازت کے بغیر کوئی فوجی کارروائی نہ ہو سکتی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی حمایت میں کسی کو لڑنے اور اپنے باغیوں کی سرکوبی کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بلا شبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وفاداروں میں رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی آپ نے ان کے خلاف کوئی ایک کلمہ نہ کہا۔ آپ اپنی خلافت کو انہی حضرات سے متصل سمجھتے تھے اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا فصل نہ جوڑتے

تھے۔لیکن آپ کے ارد گرد کچھ ایسے لوگ تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شریکِ بغاوت رہے تھے اور اب وہ کھلے بندوں حضرت عثمان، امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کرتے تھے یہ لوگ اپنے آپ کو شیعانِ علی میں سے کہتے لیکن عملاً انہیں خاندانِ علی رضی اللہ عنہ سے کوئی عقیدت نہ تھی یہ شیعانِ علی کا آغاز ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً ان سے کھلے فاصلے پر تھے۔

عبداللہ بن سبا یہودی نے صفِ اسلام کو توڑنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخر میں بغاوت کے کچھ کانٹے بکھیرے۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف داری محض اس لیے کی کہ اس کے بغیر صفِ اسلام کو توڑنا ممکن نہ تھا۔ اسے حبِ علی سے غرض نہ تھی بنو امیہ سے بغض درکار تھا اور شوکتِ اسلام کو توڑنا اس کا نقطۂ انقلاب تھا۔

عبداللہ بن سبا نے جب بڑے لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسایا ان میں محمد بن ابی بکر بھی آ گیا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پروردہ تو تھا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں بالکل بے راہ ہو گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے راستے پر نہ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں جب تک صحابہ کو نہ لایا جائے عبداللہ بن سبا کی کوئی بات سنی نہ جا سکتی تھی اور اسکے پھندے میں کوئی نہ آ سکتا تھا۔ اس نے یہی کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اپنی کاروائی کرتا رہا۔ محمد بن ابی بکر کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسانے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک خط میں جعلی کاروائی کی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی بنا کر روانہ کیا تو اہلِ مصر کے نام خط لکھا کہ محمد بن ابی بکر کو والی تسلیم کرو۔ سازش سے خط یوں بنا ڈالا گیا کہ محمد بن ابی بکر کو پہنچتے ہی قتل کر دو۔ محمد نے یہ خط پڑھ لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو گیا۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں اسے شرم آ گئی اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔

شیعیت کی ابتداء ہو چکی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وفاداروں اور پہرے داروں میں تھے اور ان کا

ربیب محمد بن ابی بکر سبائیوں کی سازش کا شکار تھا۔ جب یہ مصر میں مارا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں ہاشم بن عتبہ کو مصر کا والی بناتا تو وہ اہلِ مصر کو کبھی ملنے نہ دیتا افسوس کہ محمد بن ابی بکر ان کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔

وقد أردت تولية مصر هاشم بن عتبة ولو وليته اياها لما خلى
لهم العرصة ولا انهزم الفرصة (نہج البلاغۃ جلد ۱، ص ۱۱۶)

ترجمہ: میں ہاشم بن عتبہ کو مصر کا والی بنانا چاہتا تھا اور اگر میں اسے مصر کا والی بنا دیتا تو یہ انہیں (اہلِ مصر کو) کوئی راہ نہ دیتا اور ایک لمحہ بھی پیچھے نہ ہٹتا۔

جس طرح محمد بن ابی بکر سبائیوں کے ہاتھ چڑھا، طبقہ تابعین کے اور کئی لوگ بھی ان کی سازشوں میں شریک ہو گئے۔ انہی میں ایک شخص حجر بن عدی بھی تھا جو بظاہر صالح اور پرہیزگار تھا مگر اندر سے وہ سبائی فتنے کا شکار ہو چکا تھا۔ اس وقت تک یہ فتنہ محض ایک سیاسی فتنہ تھا، ابھی تک اس نے مذہب کی شکل اختیار نہیں کی تھی۔

حجر بن عدی کوفہ کے قبیلہ کندی میں سے تھا اور تابعی تھا۔ (الاصابہ جلد ۱، ص ۳۱۳)۔ بعض لوگوں نے اسے صحابی بھی کہا ہے مگر بیشتر محدثین اسے صحابی تسلیم نہیں کرتے (البدایہ جلد ۸، ص ۵۰)۔ اس کے اردگرد کچھ اور لوگ بھی تھے جن کا کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والیوں کو برا بھلا کہنا تھا۔ یہ شیعانِ علی تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ان کے ساتھ تھے اور نہ ان میں سے تھے۔ حافظ کثیر لکھتے ہیں:

انهم كانوا ينالون من عثمان ويطلقون فيه مقالة الجور
وينتقدون على الامراء ويسارعون فى الانكار عليهم و
يبالغون فى ذلك ويتولون شيعة على و يتشددون فى الدين
(البدایہ جلد ۸، ص ۵۴)

ترجمہ: وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شکایت کرتے اور ان کے بارے میں

زیادتی کی بات کہتے تھے ان کے امراء پر تنقید کرتے اور ان سے انکار میں جلدی کرتے اس میں مبالغہ کرتے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتے جو اپنے آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پارٹی بتاتے اور دین میں تشدد کرتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد اس چال سے جمع ہوئے کہ یہ لوگ ان کی کوئی بات چلنے نہ دیتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برسرِ عام برا بھلا کہتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں کہتے کہ میں تمہارے ان اعمال سے سخت نالاں ہوں۔ شریف رضی (۴۰۴ھ) لکھتا ہے آپ نے انہیں بَرملا کہا کہ تمہارے اس سبّ وشتم سے سخت بےزار ہوں:

وقد سمع قوماً من أصحابه يسبون اهل الشام ايام حربهم بصفين اني اكره لكم ان تكونوا سبابين...... ولو قلتم مكان سبكم اللهم احقن دمائنا ودمائهم وأصلح ذات بيننا وبينهم (نہج البلاغہ جلد ۱، ص ۴۲۰)

ترجمہ: اور آپ نے اپنی پارٹی بننے والوں میں سے بعض کو اہلِ شام کے بارے میں برا بھلا کہتے سنا۔ یہ جنگِ صفین کے دن تھے۔ آپ نے کہا میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ تم اہلِ شام کو برا بھلا کہو۔۔۔۔۔ کاش کہ تم انہیں برا کہنے کی بجائے یہ دعا کرتے: اے اللہ! ہماری اور ان کی جانوں کو بچا اور ہمارے اور ان کے مابین اچھے حالات پیدا کر۔

شیعی مؤرخ دینوری لکھتا ہے کہ یہ لوگ حجر بن عدی، عمرو بن الحمق اور ان کے ساتھی تھے انہوں نے الٹا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

لم تمنعنا من شتمهم ولعنهم، کہ آپ ہمیں ان کو گالی دینے اور لعنت کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

کرهت لکم ان تکونوا شتامین لعانین ولکن قولوا اللّٰھم احقن دمائنا ودمائھم وأصلح ذات بیننا و بینھم (اخبار الطوال ص ۱۶۵)

ترجمہ: مجھے ناپسند ہے کہ تم لعنت کرنے والے اور (اہلِ شام کو) گالی دینے والے بنو۔ اس کی بجائے تم یہ کہو اے اللہ! ہمارے اور ان کے خون بچا اور ہم میں اور ان میں حالات اچھے پیدا کر۔

اپنی زور آوری سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حال کر رکھا تھا کہ آپ کو جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ جن لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی آپ انہیں پکڑتے کیوں نہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

انی لست أجھل ما تعلمون ولکن کیف لی بقوۃ والقوم المجلبون علی حد شرکتھم یملکوننا ولا نملکھم (اخبار الطوال ص ۳۱۵)

ترجمہ: میں اس سے ناواقف نہیں جو تم جانتے ہو لیکن میری طاقت ہی کب ہے (کہ میں انہیں پکڑ سکوں) اور وہ اپنی شوکت سے چھائے ہوئے ہیں وہ ہم پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں ہم ان پر حکومت نہیں کر رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے بسی تھی جو انہوں نے آپ کے پورے ماحول پر مسلط کر رکھی تھی لیکن یہ لوگ دل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے خیر خواہ نہ تھے۔ اس خاندان کی خیر خواہی کا دم اسی حد تک بھرتے جس حد تک بنو امیہ کو برا بھلا کہنے کا انہیں موقع مل سکے۔ حبِ علی رضی اللہ عنہ سے غرض نہ تھی محض بغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ درکار تھا اور ایسی پالیسی تھی کہ قومی بے وفائی پر یہ آج تک ضرب المثل چلی آرہی ہے۔

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی اور خلافت ان کے

سپرد کر دی تو جو شخص حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے اعتراض کرنے کے لیے ملا وہ بھی حجر بن عدی تھا۔ اس نے ان الفاظ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مخاطب کیا:

یا ابن رسول اللہ! لوددت انی مت قبل ما رأیت أخرجتنا من العدل الی الجور فترکنا الحق الذی کنا علیہ ودخلنا فی الباطل الذی کنا نھرب منہ وأعطینا الدنیۃ من أنفسنا وقبلنا الخسیسۃ التی لم تلق بنا (ایضاً ص ۲۲۰)

ترجمہ: اے حسن! میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ میں مر جاتا اور اس صورت (صلح) کو نہ دیکھتا۔۔۔ تو نے ہمیں عدل سے نکال کر ظلم کی طرف جھونک دیا ہے ہم نے اس حق کو جس پر ہم تھے چھوڑ دیا ہے ہم اس باطل میں داخل ہو چکے ہیں جس سے ہم بھاگتے تھے اور ہم نے اپنے نفوس کو کمینگی دی ہے اور ہم نے وہ خفت قبول کر لی ہے جو ہمیں اب تک نہ آئی تھی۔

ذرا غور کیجئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس نیک کام پر (جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سید فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا) جائز اور ظالم کہنے والا، انہیں تارکِ حق کہنے والا، انہیں داعیٔ باطل کہنے والا کیا دل کی گہرائیوں سے اولادِ رسول کی تعظیم کرنے والا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر معلوم نہیں شیعہ علماء حجر بن عدی کے بارے میں کیوں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔

حجر بن عدی کی یہ تمام کوششیں حبِ علی یا خاندانِ رسول کی عظمت کے لیے ہرگز نہ تھیں۔ یہاں حبِ علی سے غرض نہ تھی، صرف بغضِ معاویہ درکار تھا۔ یا بنو امیہ اور بنو ہاشم کے خاندانی فاصلوں کو اور بڑھانے کی ایک یہودیانہ سازش تھی۔ پھر اس شخص نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ حجر بن عدی عبیدہ بن عمرو کو ساتھ لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا:

دع الحسن ما رأى من هذا الصلح واجمع اليك شيعتك من
أهل الكوفة وغيرها ولنى وصاحبى هذه المقدمة فلا يشعر
ابن هند الا ونحن تقارعه بالسيوف (اخبار الطوال ص ۲۲۰)

ترجمہ: آپ حسن کا ساتھ چھوڑ دیں اور انہوں نے جو یہ صلح کی ہے اسے رہنے دیں۔ کوفہ اور دوسرے علاقوں سے اپنے ساتھیوں کو جمع کریں اور مجھے اور میرے اس ساتھی کو یہ کام سپرد کریں معاویہ کو پتہ ہی اس وقت چلے جب ہم تلواریں لے کر اس پر جا پہنچیں۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ شیعہ کا عقیدۂ امامت اس وقت تک قائم نہ ہوا تھا ورنہ وہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں لانے کی کوشش نہ کرتے۔ عقیدۂ امامت اس کی اجازت نہیں دیتا کہ دوسرے امام کو چھوڑ کر۔۔۔۔ وہ تیسرے امام پر آ جائیں۔۔۔۔ آگے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جواب بھی سنیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسکی بات نہ مانی اور فرمایا:

انا قد بايعنا وعاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا (ایضاً ص ۲۲۰)

ترجمہ: بے شک ہم نے (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی) بیعت کر لی ہے اور (ان سے) عہد باندھا ہے۔ اب ہمارے پاس اپنی بیعت کو توڑنے کی کوئی راہ نہیں (اسے توڑنے کا کوئی جواز نہیں)

اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ حجر بن عدی باوجود لبادہ زہد و عبادت کے قانون کی نظر میں مفسد تھا۔ دورِ اوّل کی شیعیت یہی تھی اور ان کا موضوعِ سیاست بنو امیہ اور بنو ہاشم کے اختلافات کو بڑھانا اور بنو امیہ سے نفرت پھیلانا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس نے جنگ قادسیہ میں حصہ لیا تھا اور جنگِ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طرفداروں میں تھا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ مفسدین میں تھا اور حضرت

حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی پالیسی کو کھلے بندوں غلط کہتا۔ اس کی ہر کوشش ہوتی کہ جس طرح بھی بن پڑے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کو سبوتاژ کیا جائے۔

کوفہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے امیر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (۵۰ھ) صحابیٔ رسول تھے۔ جب وہ خطبہ دیتے تو یہ درمیان میں بول پڑتا۔ آپ درگزر سے کام لیتے (دیکھئے البدایہ جلد ۸، ص ۵۰) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے بعد زیاد والیٔ کوفہ ہوا تو اس نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے خلیفۂ وقت کو کھلم کھلا برا بھلا کہا ہے اور امیر کوفہ سے مقابلہ شروع کر رکھا ہے اور کہتا ہے کہ خلافت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دی جانی چاہیے۔ یہ بنو امیہ اس پر کیوں مسلط ہوئے ہیں:

وانه سب الخليفة وانه حارب الامير وانه يقول ان هذا الامر لا يصلح الا فى أل على ابن ابى طالب (ايضا ص ۵۱)

ابن جریر طبری لکھتا ہے:

ان حجرا جمع اليه الجموع وأظهر شتم الخليفة ودعا الى حرب امير المؤمنين وزعم ان هذا الامر لا يصلح الا فى أل على بن ابى طالب ووثب المصر وأخرج عامل امير المؤمنين.....

وان هؤلاء النفر الذين معه هم رؤوس اصحابه وعلى مثل راية (طبری ص ۱۵۰)

ترجمہ: بے شک حجر بن عدی نے اپنے پاس لوگوں کو جمع کر لیا ہے۔ خلیفۂ وقت کو برا بھلا کہنا اعلانیہ شروع کر دیا ہے۔ امیر المؤمنین سے جنگ کرنے کی دعوت دے دی ہے اور یہ عقیدہ بنائے بیٹھا ہے کہ حکومت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے سوا دوسرے کسی طرف نہ جائے۔ شہر پر وہ آدھمکا

ہے اور امیر المؤمنین کے عامل کو وہاں سے نکال دیا ہے۔۔۔۔اور یہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں وہ بھی اسی رائے اور عقیدہ پر ہیں۔

اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شہادت طلب کی سب نے گواہی دی کہ حجر بن عدی نے حکومت سے محاربہ قائم کر رکھا ہے:

فشھدوا کلھم ان حجرا اجتمع الجموع واظھر شتم معاویۃ ودعا الی حربہ

ترجمہ: سب گواہوں نے گواہی دی کہ حجر فوجوں میں آ لگا ہے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کھلی گالی دیتا ہے اور اپنی علیحدہ پارٹی بنالی ہے۔

ان گواہوں میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور بھی کئی لوگ تھے۔ قانونِ شریعت کی رو سے یہ اور اس کے ساتھی گردن زدنی تھے۔ اسلام میں مسئلہ امن اور سلامتیٔ سلطنت کو اوّلیت دی گئی ہے۔ گو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت حلیم الطبع تھے اور سیاسی انتقام پسند نہ کرتے تھے لیکن اب ان باغیوں کے قتل کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ عذراء کے مقام پر ان چھ افراد کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا گیا۔ (یہ چھ حجر بن عدی، شریک بن شغار، صیفی بن فسیل، قبیصہ بن ضبعیہ، معرز بن شہاب، اور کرام بن حسان تھے)

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اس صورتِ حال کا تفصیلی علم نہ تھا۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حجر بن عدی کی سزا کا شکوہ کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لست انا قتلتھم انما قتلھم من شھد علیھم (طبری جلد ۶، ص ۱۵۶)

ترجمہ: میں نے انہیں قتل نہیں کیا ان کے قتل کا باعث وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان پر (بغاوت کی) گواہی دی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

وجدت فی قتلہ صلاح الناس وخفت من فسادھم (تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲، ص ۲۷۶)

ترجمہ: اس کے قتل میں عوام کا فائدہ تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ ان کا حال اور بگڑے گا۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کہا:

این غاب عنک حلمک حین قتلت حجرا فقال حین غاب منی مثلک من قومی (البدایہ جلد ۸، ص ۵۵)

اے معاویہ رضی اللہ عنہ تمہارا حلم (بردباری) کہاں گیا تھا جب تم نے حجر بن عدی کے قتل کا حکم دیا تھا؟ آپ نے کہا جب آپ جیسی ہستیاں دور تھیں تو یہی ہونا تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ پھر جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ انما نحکم بظواھر الشریعۃ واللہ یتولی السرائر۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ شیعیت ابتداء میں صرف ایک سیاسی گروہ بندی کی صورت میں تھی اور امامت کا عقیدہ ابھی ان میں نہ آیا تھا۔ حکومت کے آسمانی حق کا عقیدہ انہیں ایران سے ملا جو ساسانی بادشاہوں کو حکومت کا آسمانی حق دیتے تھے۔

شیعیت جب سیاسی میدان میں نہ ٹھہر سکی تو اب نے ایک مذہبی شکل اختیار کی اور خاندانِ رسالت کے آسمانی حقِ امامت کا عقیدہ وضع کر لیا۔ یورپ کے مستشرقین بھی لکھتے ہیں کہ شیعیت کی زیادہ تر دلالتیں عجمی ہیں۔ ان کی اصل الاصول ان کی کتاب الکافی ہے جو محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۹ھ) نے لکھی ان کی دوسری حدیث کی کتابیں اس کے بعد کی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب باقاعدہ صورت میں چوتھی صدی میں مرتب ہونا

شروع ہوا۔ ان کے سلسلۂ امامت کے گیارہویں فرد امام حسن عسکری تیسری صدی ہجری کے وسط میں فوت ہوئے اور ائمہ کی روایات ابھی جاری تھیں کہ بارہویں امام المولود (۲۵۴ھ) بھی غیبتِ صغریٰ میں چلے گئے اہلِ سنت کے ہاں یہ دور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۲۵۶ھ) اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (۲۶۲ھ) کا دور تھا اور ان کا دین اس سے ڈھائی سو سال پہلے مکمل ہو چکا تھا اور اس کے بعد وہ کسی آسمانی مامور کے قائل نہیں رہے۔

موجودہ دور میں شیعہ زیادہ تر اثنا عشری ہیں۔ اہلِ سنت رواۃ حدیث میں اگر کہیں کوئی شیعہ راوی ہے تو وہ اثنا عشری نہیں۔ اثنا عشری شیعوں کی روایات اہلِ سنت محدثین قبول نہیں کرتے۔ الا یہ کہ انہیں اس کے عقیدہ کا پتہ نہ چلے۔ اس دور میں شیعہ کا تعارف زیادہ تر ایک مذہبی گروہ کی حیثیت سے ہے لیکن ان کی سیاسی سرگرمیوں کو نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو یہ اب بھی ایک سیاسی تحریک کی صورت میں کام کرتے نظر آئیں گے اور یہ ہر وقت منتظر ہیں کہ کب امام مہدی کا ظہور ہو جو عالمِ اسلام پر عربوں کے موجودہ غلبے سے انہیں نجات دلائے۔ ان کا بس چلے تو یہ حرمین شریفین میں بھی سیاسی نعرے لگا دیں جو عبادت کی جگہیں ہیں۔ جہاں داخل ہونے والا ہمیشہ کا امن پاتا ہے۔

# دوازدہ احادیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد!

اثناعشریوں کے نزاع امت میں چند احادیث اثناعشریوں کی طرف سے بڑی بے دردی سے موضوع بحث بنائی جاتی ہیں۔ جن میں اثناعشری مدعی ہوتے ہیں اور اہل اسلام کی طرف سے ان احادیث کے مرادات و معانی کا محققانہ دفاع کیا جاتا ہے۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ ان احادیث کا یکجا ذخیرہ اہل سنت محدثین کی طرف سے یکجا مرتب کیا جائے تاکہ عام علماء کے ہاتھ میں ایک ایسی دستاویز آجائے جس سے وہ اہل سنت کے ذخیرہ حدیث کا پوری دیانت اور صیانت سے تحفظ کر سکیں۔

اہل سنت محدثین میں بڑے مرکزی بزرگ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے موطا میں حدیث الحوض روایت کی ہے جس سے اثناعشری علماء عوام میں یہ بات پھیلاتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد آپ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے دین کو بدل دیا تھا اور حضور انہیں حوض کوثر کے حلقہ سے نکال دیں گے۔ سو ہم اس مجموعہ دوازدہ احادیث کا اس حدیث حوض سے آغاز کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز غدیرخم پر دیئے گئے بعض خطبات کی وضاحت کی جائے گی۔ غدیرخم کے موقع پر ہم پورا یقین رکھتے ہیں کہ وہاں حضور ﷺ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ اس پر شیعہ حضرات نے بڑی ہوشیاری سے من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا جال بن دیا ہے۔ ہم ان دوازدہ احادیث کی بحث حدیث حوض سے شروع کرتے ہیں۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے۔ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین۔

مؤلف عفا اللہ عنہ

# (۱) حدیث الحوض

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... أَمَّا بَعْدُ!

ایک حدیث کو غلط طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض پر آنے سے روک دیا جائے گا۔ آپ کہیں گے یہ تو میرے صحابی ہیں آپ کو جواب دیا جائے گا: "انك لا تدري ما أحدثوا بعدك" آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں اختیار کر لی تھیں۔

## یہ غلط بیانی کیوں ہے؟

حدیث کی رو سے یہ ذکر ان لوگوں کا ہے جنہیں آپ چہروں سے نہ پہچان پائیں گے آپ انہیں ان کے وضوء کے آثار سے سمجھیں گے کہ وہ آپ کی امت کے لوگ ہیں سو یہ حدیث آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نہیں ہے۔ یہ آپ کی امت میں آئندہ آنے والے لوگوں کے بارے میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ رہنے والوں کو تو ان کے چہروں سے جانتے اور پہچانتے تھے۔ قرآن کریم سے اس پر شہادت موجود ہے:

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (پ۲۶، الفتح ۲۹)

ترجمہ: آپ دیکھتے ہیں ان کو رکوع میں جاتے اور سجدہ کرتے۔ یہ ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی۔

اس پس منظر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ حوض کوثر سے روکے جانے والے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے نہیں آپ کی امت کے مختلف ادوار کے بدعتی ہیں۔ انہیں اگر امت ہونے کے ناطے اصحاب کہا جائے تو یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں ہوگا وہ اصطلاحی معنی کی رو سے صحابی نہ ہوں گے انہیں اصحاب کہا جائے تو وہ اصیحابی کے معنی میں ہوگا۔

حدیث کی کتابوں میں سب سے پہلی معروف کتاب موطا امام مالک ہے اس میں یہ حدیث کتاب الطہارہ کے باب جامع الوضوء میں دوسری حدیث ہے اس میں صراحت سے اخوان کا لفظ ہے جو غور طلب ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ابھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں ملے۔ وہ ایک اور دور کے لوگ ہیں اور وہ مختلف زمانوں کے لوگ

ہوں گے وہ عام امت کے لوگ ہوں گے صحابی نہ ہونگے۔ ان الفاظ سے یہ بات قارئین اچھی طرح سمجھ پائیں گے کہ ہم نے اسے غلط بیانی کیوں کہا ہے یہ اس لیے کہ اس کی خود حضور اکرم ﷺ نے تصریح فرمادی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

وددت أني قد رايت اخواننا قالوا يا رسول الله ألسنا باخوانك؟ قال بل انتم اصحابي واخواننا الذين لم يأتوا بعد وانا فرطهم على الحوض فقالوا يا رسول الله كيف تعرف من يأتي بعدك من امتك؟ قال أرأيت لو كان لرجل خيل غر محجلة في خيل دهم بهم ألا يعرف خيله؟

(موطا امام مالک جلد ا، ص ۶۳ مکتبہ البشریٰ)

ترجمہ: میں نے چاہا میں نے اپنے ان بھائیوں کو دیکھا ہوتا...... میں اپنے حوض پر ان سے پہلے پہنچا ہوا ہوں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا اے اللہ کے رسول! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو آپ کے بعد کے لوگ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ کسی کے سفید ماتھے کے روشن چمک اور سیاہ مشکیں گھوڑے ہوں کیا وہ انہیں ان کے رنگ سے نہیں پہچانتا؟

اس حدیث میں لفظ امت صریح طور پر وارد ہے۔ یہ بتلا رہا ہے کہ وہ لوگ عام احاد امت میں سے ہوں گے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نہ ہوں گے۔

موطا امام مالک کی یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ان الفاظ میں ملتی ہے:

وحدثني ... مالك جميعاً عن العلاء بن عبدالرحمن، عن ابيه، عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم اتى المقبرة فقال "السلام عليكم دار قوم مومنين وانا ان شاء الله بكم لاحقون... (موطا امام مالک ص 51 مکتبہ البشریٰ)

وددت أنا قد رأينا اخواننا" قالوا أولسنا اخوانك يا رسول الله قال "انتم اصحابي واخواننا الذين لم يأتوا بعد فقالوا كيف تعرف من لم يأت بعد من امتك يا رسول الله؛ فقال "أرأيت لوان رجلا له خيل غر محجلة بين ظهري خيل دهم بهم ألا يعرف خيله" قالو بلى يا رسول الله. قال "فانهم يأتون (يوم القيامة) غرا محجلين من الوضوء وانا فرطهم على الحوض الا ليذادن رجال عن حوضي كما يذاد البعير الضال اناديهم ألا هلم فيقال انهم قد

بدلوا بعدك فاقول سحقاً سحقاً (صحیح مسلم جلد ا، ص ۱۲۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان گئے۔ آپ نے وہاں کہا اے مومنوں کے گھر میں رہنے والو! تم پر سلام ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ اس جہان میں تم سے آملنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں میں نے اپنے ان بھائیوں کو دیکھا ہو میں ان سے پہلے اپنے حوض پر پہنچا ہوں گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا اے اللہ کے رسول کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا تم میرے صحابی ہو اور بھائی وہ ہیں جو ابھی سامنے نہیں آئے اور میں ان سے پہلے حوض پر پہنچوں گا انہوں نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے ان امتیوں کو کیسے پہچانیں گے جو آپ کے بعد پیدا ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کسی کے روشن چمک کے گھوڑے سیاہ مشکیں گھوڑوں کے ساتھ ہوں وہ اپنے گھوڑوں کو نہ پہچان پائے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کیوں نہیں آپ نے فرمایا میرے وہ امتی اپنی وضو کے اثر سے چمکتی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔ میں ان سے پہلے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا۔ ایسا نہ ہو کہ میرے حوض سے کچھ لوگوں کو اس طرح روک دیا جائے جیسے کہ کسی راہ گم کردہ اونٹ کو روک دیا جاتا ہے۔ میں انہیں آواز دیتا رہوں کہ وہ میرے پاس آئیں اور مجھے غیب سے یہ آواز دی جائے کہ انہوں نے آپ کے بعد (آپ کے دین کو) بدل دیا تھا پھر میں کہوں گا۔ تم دور رہو پیچھے ہٹو (میں تمہیں دیکھنا نہیں چاہتا)

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے دین کو بدلنے والے بدعتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے نہ ہوں گے آپ کی امت میں سے ہوں گے اور بعض طرق حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک قوم نہ ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے لیے لفظ اقوام استعمال کیا۔

لیردن علی اقوام اعرفهم ویعرفونی ثم یحال بینی وبینهم

(کشف المغطی عن وجہ الموطا جلد ا، ص ۶۳)

ترجمہ: میرے سامنے (یہ بدعتی) کئی قوموں کے لوگ ہوں گے میں ان کو پہچانوں گا اور وہ مجھے پہچانیں گے پھر میرے اور ان میں ایک روک ڈال دی جائے گی...... اور میں کہوں گا یہ مجھ سے دور رہیں دور رہیں۔

اس روایت میں اقوام کا لفظ ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بدعتی ایک دور کے لوگ نہ ہوں گے

مختلف ادوار کے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھائی کہا صحابی نہ کہا۔ شیعہ ذاکرین حدیث حوض کے حوالہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بدنام کرتے ہیں یہ حدیث ان کے اس جھوٹ کو پوری طرح بے نقاب کرتی ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ان کے صحابی رضی اللہ عنہم نہ ہونے کی اس طرح بھی تصریح موجود ہے:

عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ طوبى لمن امن بى ورانى مرة وطوبى لمن امن بى ولم يرانى سبع مرار۔ (مسند احمد جلد 2، ص 37، رقم الحدیث 12578)

ترجمہ: بشارت ہے اس کے لیے ایک دفعہ جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور سات مرتبہ بشارت ہے اس کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا اور اس نے مجھے دیکھا تک نہیں۔ (سات سے یہاں کثرت مراد ہے)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں اسے حسن کہا ہے اس پر صحیح ہونے کا نشان لگایا ہے اور شارح جامع صغیر علامہ عزیزی نے اسے صحیح کہا ہے۔ (ترجمان السنۃ جلد ۲، ص ٦)

## اہل بدعت کے مختلف حلقے

یہ حدیث اس دین میں بدعات لانے والوں کی پرزور تردید کرتی ہے وہ اس امت میں دین میں بدعات پیدا کرنے والے مختلف حلقوں کے لوگ ہوں گے اور ان کی بدعات اپنی اپنی ہوں گی۔

بدعات فی العقائد کے لوگوں میں معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، روافض اور خوارج وغیرہ مختلف پہلوؤں سے دین میں بدعات لانے والے ہوئے اور بدعات فی الاعمال کے مجرموں میں سالانہ ماتمی جلوس نکالنے والے بھی اور حرمین شریفین میں کفر کے پھر سے داخل ہونے کا عقیدہ رکھنے والے اور اذانوں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے خلاف مختلف اضافے کرنے والے اپنی اپنی بدعات کی رو سے اہل بدعت سمجھے جاتے ہیں۔ سو اس روایت میں اقوام کا لفظ ان مختلف دعاۃ الی البدعات کا پتہ دے رہا ہے۔ تاہم اس روایت کے حوالے سے اور اس کی تمام روایات اور طرق کو سامنے لانے سے یہ بات یقینی اور قطعی ٹھہرتی ہے کہ یہ لوگ ایک طرح کے بدعتی نہ ہوں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس کی چھینٹ تک نہیں پڑتی بدعت کی حدیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد سے شروع ہوتی ہیں کسی صحابی کے کسی دین کے کام کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں جو جنگیں ہوئیں اور اختلافات ہوئے وہ انتظامی اور سیاسی کاموں میں ہوئے دین کے کسی عمل پر ہرگز کوئی اختلاف نہ تھا اور فروع

میں ان میں جو اختلاف ہوئے وہ اجتہاد کی راہ سے ہوئے۔ حق اور باطل کے فاصلوں سے نہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف میں حضرت علی مرتضیٰ کا قول کہ ہمارا اور ان کا دین ایک ہے۔ ہمارے اس موقف کی مکمل تائید کرتا ہے۔ علامہ رضی شریف نے آپ کی زبان مبارک سے الامر واحد کے الفاظ نقل کیے ہیں:

وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اهل الشام، والظاهر ان ربنا واحد و نبینا واحد و دعوتنا فی الاسلام واحدۃ لا نستزیدهم فی الایمان باللہ والتصدیق برسوله ولا یستزیدوننا الامر واحد (نہج البلاغہ جلد ۳، ص ۷۷۶)

ترجمہ: ہماری ابتدائی صورت حال یہ تھی کہ ہم اور شام والے (میں اور معاویہ) آمنے سامنے آئے اس عقیدے سے کہ ہمارا اللہ ایک، نبی ایک اور دعوت اسلام ایک تھی نہ ہم ایمان باللہ اور اس کے رسول کی تصدیق میں ان سے کچھ زیادتی چاہتے تھے اور نہ وہ ہم سے کسی اضافہ کے طالب تھے۔ ہم میں بالکل اتحاد تھا سوائے اس اختلاف کے جو ہم میں خون عثمان کے بارے میں پیدا ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اس سے بالکل بری الذمہ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی نے کسی دوسرے صحابی پر یہ الزام نہیں لگایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی غلط بات کہہ رہا ہے یا اس نے کوئی حدیث گھڑی ہے۔ دین میں ہرگز کوئی اختلاف نہ تھا۔ ایک نبی کے الفاظ سے ختم نبوت کے عقیدے پر دونوں کا ایمان ایک سا تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ کی اس روایت سے صاف عیاں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو پہچانتے نہ تھے جو اس وقت حوض پر آئیں گے اور ان لوگوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت پتہ چلے گا کہ انہوں نے آپ کے دین کو بدلا تھا اور وہ کئی طرح کی بدعات دین میں لے آئے تھے۔ اس کے برخلاف شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع سے پتہ تھا کہ وہ آپ پر ایمان لائے ہوئے نہیں سو امام مالک کی یہ مذکورہ روایت کسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قبول نہیں کی جاسکتی۔

سنی شیعہ اختلاف پانے والوں میں یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ شیعہ اس بات کے مدعی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دین بدلنے والوں کو اپنے دور زندگی میں خوب پہچانتے تھے کہ یہ منافق ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) اپنے امتیوں کو تقیہ کی تعلیم دے رکھی تھی کہ وہ انہیں مسلمان کہتے رہیں اور سمجھتے بھی رہیں اور اس گمان میں انہوں نے خلافت کی بیعت میں اگر کچھ دیر بھی کی لیکن نماز میں ان کی امامت

سے ایک نماز کی بھی تاخیر نہ کی۔

ان روایات کی روشنی میں اس میں ہرگز کوئی شائبہ اختلاف نہیں رہتا کہ حدیث حوض میں جن کو آگے آنے سے روک دیا جائے گا۔ ان سے مراد حضور ﷺ کے معروف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہرگز نہ تھے۔ حدیث حوض کے ان الفاظ اور اس روایت کے جملہ طرق واسانید پر نظر کر کے یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اس میں شیعہ علماء کے اس غلط پراپیگنڈے میں صداقت کی کوئی رمق تک نہیں۔

اس وقت ہم صرف حدیث حوض کی وضاحت کر رہے ہیں اور یہ بات ہم اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں ان لوگوں کا پتہ کریں کہ کون کون اس حدیث کا مصداق ہیں۔ اثنا عشریوں نے جو اپنے عقائد میں تقیہ کو عبادت کا درجہ دیا ہے۔ اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے دین میں کئی مختلف راہیں اختیار کرنے کے باوجود انہیں عین دین کہتے رہے ہیں اور وہ اسے تقیہ کی چادر تلے اپنے اعمال میں لائے ہیں۔ اس پر ہم حدیث حوض پر اس مختصر تبصرہ کو ختم کرتے ہیں۔

# (۲) حدیث ثقلین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

ایک حدیث زبان زد عام و خاص چلی آرہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے آخری دنوں میں فرمایا میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جارہا ہوں اسے حدیث ثقلین کہتے ہیں اس مضمون میں اس روایت کے رواۃ و مخارج پر طلبہ حدیث کو متوجہ کرنا پیش نظر ہے لیکن اس سے پہلے لفظ ثقل (بھاری) کو کچھ سمجھ لیں۔ ثقلین اسی کا تثنیہ ہے۔

اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کو ابتداء وحی میں بتلا دیا تھا کہ آپ پر قرآن ایک وزن دار پیرائے میں اتارا جائے گا ارشاد ہوا:

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (پ۲۹، المزمل ۳)

ترجمہ: ہم ڈالنے والے ہیں تجھ پر ایک بات وزن دار (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

یہاں قرآن پاک کو ایک قول ثقیل کہا گیا ہے حدیث بھی وحی خداوندی سے ہے (گو یہ بصورت وحی غیر متلو ہو) تو ظاہر ہے کہ وہ بھی ایک پیرایہ ثقل ہی ہوگا سو ان دو کو (قرآن اور حضور ﷺ کی حدیث کو) ثقلین کہیں گے حدیث بھی کفار پر اسی طرح بھاری ہے جس طرح قرآن بھاری ہے۔

اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ پر جب وحی حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے سامنے انسانی صورت میں متمثل ہوئے بغیر لائے تو وہ آپ ﷺ پر بہت گراں ہوتی تھی یہاں تک کہ آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> قرآن تم پر نازل کریں گے جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات ولوازم کے اعتبار سے بہت بھاری اور گرانبار ہے۔ احادیث میں ہے کہ نزول قرآن کی یہ صورت آپ پر بہت گراں اور سخت گزرتی تھی۔ جاڑے (سردی) کے موسم میں آپ

پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو سواری تحمل نہ کر سکتی تھی ایک دفعہ آپ کی ران مبارک زید بن ثابت کی ران پر تھی اس وقت وحی نازل ہوئی اس وقت زید بن ثابت کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی ران بوجھ سے پھٹ جائے گی۔ اس کے علاوہ اس ماحول میں قرآن کی دعوت تبلیغ اور اس کے حقوق کا پوری طرح ادا کرنا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو کشادہ دلی سے برداشت کرنا بھی سخت مشکل اور بھاری کام تھا اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپ پر بھاری تھا۔ دوسری حیثیت سے کافروں اور منکروں پر شاق تھا غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن اتر چکا ہے اس کی تلاوت میں رات کو مشغول رہا کریں اور اس خاص عبادت (تہجد) کے انوار سے اپنے تیئں مشرف کر کے اس فیض اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے اندر مستحکم فرمائیں۔ رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندا جاتا ہے اور نیند آرام وغیرہ کی خواہشات پامال کی جاتی ہیں۔ نیز اس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے اور زبان اور دل موافق ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۶۲ طبع سعودی عرب)

آپ ﷺ نے اس صورت وحی کو اپنے لیے وھو اشدہ علیّ فرمایا کہ وہ مجھ پر بہت سخت پیرائے میں آتی ہے۔ طلبہ اسے صحیح بخاری میں شروع میں پڑھ آئے ہیں۔

اس پس منظر کے ساتھ قرآن کریم اور حضور ﷺ کی سنت کو ثقلین ماننا اور سمجھنا کچھ مشکل تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے اسے دوسرے لفظوں میں آسان کر کے بھی بیان کر دیا اور لفظ امرین سے ذکر کیا۔ حدیث کی سب سے پہلی معروف کتاب موطا امام مالک میں اسے اس طرح روایت کیا گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

انی ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ نبیہ ﷺ (موطا امام مالک ص ۳۶۳)

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں (امرین) تم جب تک اپنا دین ان سے لیتے رہو گے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ دو چیزیں کیا ہیں۔ (۱) اللہ کی کتاب اور (۲) میری سنت۔

آپ ﷺ نے اپنی ان دونوں امانتوں کا کن حضرات کو امین بتایا؟ انہیں ہی جو اس وقت ترکت فیکم میں ضمیر منکم کا مصداق تھے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں آپ نے متنبہ فرمایا کہ قرآن کی بھی

وہی تشریحات معتبر ہونگی جو صحابہ نے سمجھیں اور سنت کی بھی وہی مرادات تمہارے لیے مشعل راہ ہوں گی جو صحابہ سے ملیں "رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین" دین ہے ہی وہی جو صحابہ سے ملے۔

حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) تقریباً سب بڑے بڑے محدثین کے استاد ہیں۔ وہ خود بھی اسے حضور ﷺ سے نقل کرتے تو ہمارے لیے ان کا بلغنی کہنا کافی تھا لیکن اسے مرسل مانا جائے تو وہ اسے کسی جلیل القدر تابعی سے روایت کر رہے ہیں اور اس تابعی نے اسے حضور ﷺ سے نہیں سنا۔ محدثین کی اصطلاح میں اسے حدیث مرسل کہتے ہیں۔ خطیب تبریزی نے اسے مرسل کہا ہے اور حدیث مرسل کے بارے میں حنفیہ اور مالکیہ کا موقف یہ ہے کہ وہ معتبر ہے۔ سو یہ حدیث موطا امام مالک مرسل ہوئی اب اس مرسل کو موصول ثابت کرنا یہ اس پر زاید ایک دوسری محنت ہے جو علماء مالکیہ نے اس پر کی ہے ان میں ان کے سرخیل حضرت امام ابن عبدالبر مالکی (۴۶۲ھ) ہیں آپ نے اسے موصولاً بھی کتاب التمہید اور الاستذکار میں روایت کیا ہے۔ سو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حدیث ثقلین صرف مرسل ہی ہے۔ یہ مرسلاً اور موصولاً دونوں طرح مروی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ حدیث کی مرکزی کتابوں میں یہ حدیث صرف موطا امام مالک میں ہے ایسا نہیں ایک پہلو سے اس کے کچھ نقوش صحیح مسلم میں بھی ملتے ہیں۔

ایک دفعہ یزید بن حیان، حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم تین تابعی اکٹھے حضرت زید بن ارقم (۶۶ھ) کی خدمت میں گئے اور حصین نے آپ سے کہا:

> لقد لقيت يا زيد خيراً كثيراً رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وسمعت حديثه و غزوت معه و صليت خلفه لقد لقيت يا زيد خيرا كثيراً حدثنا يا زيد ما سمعت من رسول الله ﷺ قال يا ابن اخي والله لقد كبرت سني و قدم عهدي و نسيت بعض الذي كنت أعي من رسول الله صلى الله عليه وسلم فما حدثتكم فاقبلوه ومالا فلا تكلفونيه ثم قال قام رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً فينا خطيباً بماء يدعى خماً بين مكه والمدينه فحمد الله واثنى عليه ووعظ و ذكر ثم قال اما بعد الا ايها الناس فانما انا بشر يوشك ان يأتى رسول ربى فاجيب وانا تارك فيكم الثقلين اولهما كتاب الله فيه الهدى والنور فخذوا بكتاب الله واستمسكوا به فحث على كتاب الله ورغب فيه ثم قال و اهل بيتى اذكركم الله فى اهل بيتى اذكركم الله فى اهل بيتى

اذکرکم الله فی اهل بیتی فقال له حصین من اهل بیته یا زید الیس نساءه من اهل بیته؛ فقال نساء ه من اهل بیته ولکن اهل بیته من حرم الصدقة بعده قال ومن هم؛ قال هم آل علی وآل عقیل وآل جعفر وآل عباس وقال کل هٰولاء حرم الصدقة قال نعم (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۹ طبع دہلی)

ترجمہ: خطبہ غدیر خم۔ خبردار رہو اے لوگو! میں بھی بشر ہوں قریب ہے کہ خدا کا بھیجا فرشتہ (ملک الموت) میرے پاس آئے اور میں ہاں کہدوں اور میں تم میں دو بھاری چیزیں (ثقلین) چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب (قرآن) ہے جس میں ہدایت اور نور ہے تم سب اس اللہ کی کتاب کو لو اور اس سے تمسک کرو۔ (تمسک اس پر عمل اور اس سے استدلال دونوں کو شامل ہے)

(نوٹ: أولها کے بعد حضرت زید بن ارقم نے حضور ﷺ سے ثانیهما کے لفظ سے کوئی بات روایت نہیں کی اور قرآن پاک پر عمل کرنے کی ہی تاکید فرماتے رہے اور اس کی ترغیب دیتے رہے مگر وہ سارے الفاظ اس روایت مسلم میں نہیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت زید نے حضور ﷺ سے خطبہ کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں:)

''اور میرے اہل بیت...... میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں'' (آپ نے تین دفعہ یہ بات کہی) اس پر حصین بن سبرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید سے پوچھا حضور ﷺ کے اہل بیت کون ہیں کیا آپ کی ازواج آپ کے اہل بیت میں نہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک آپ کی ازواج آپ کے اہل بیت میں سے ہیں لیکن اس روایت میں اہل بیت سے مراد آپ کے خاندان کے وہ لوگ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ لینا حرام ہے حضرت حصین نے پوچھا وہ کون کون ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بتلایا۔

آل علی و آل عقیل و آل جعفر و آل عباس قال کل هٰولاء۔ حرم الصدقة۔ قال نعم

حضرت حصین نے پھر پوچھا کیا ان سب پر صدقہ لینا حرام ہے؟ حضرت زید نے کہا ہاں!

## ایک سوال اور اس کا جواب

حضرت زید نے ان آنے والے تینوں حضرات کے سامنے پہلے کہہ دیا تھا۔

قال یا ابن اخی والله لقد کبرت سنی وقدم عهدی ونسیت بعض الذی کنت أعی

ترجمہ: اے میرے بھتیجے بخدا میری عمر بڑی ہوگئی اور میرا وقت آگیا ہے اور میں کئی باتیں جنہیں میں یاد رکھتا تھا بھول چکا ہوں۔

اس پر آپ نے انہیں کہا تھا کہ میں جو کچھ تمہارے پاس بیان کروں اسے لے لو اور جو نہ بیان کر پاؤں تم اس کی مجھے تکلیف نہ دو۔

سو یہ تینوں تابعی بزرگ آپ کی اس بات پر قائم رہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے یہ نہ کہا کہ ان دو بھاری باتوں میں (ثقلین میں) ایک تو کتاب اللہ ہوئی وہ دوسری کونسی ہے اسے آپ اپنے تسلسل کلام میں چھوڑ گئے ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ سنت ہی ہوگی۔ ثقلین میں کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ سنت کا ہے اس پر قرآن پاک نے أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ کہہ کر پوری مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ سو دوسرے درجے میں سنت کے لفظ سے کسی صورت میں انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مضمون قرآن کریم میں دو سو دفعہ سے زیادہ ملے گا اور اس پر سینکڑوں حدیثیں شاہد ہیں۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ بھی آخر دم تک ایمان والوں کو یہی نصیحت کرتے رہے کہ ان دو ستونوں کو ہمیشہ قائم رکھنا اور یہ دو چراغ ہمیشہ جلائے رکھنا۔

شریف رضی (۴۰۰ھ) نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نصائح و وصایا میں آپ سے نقل کرتا ہے۔ جب آپ پر ابن ملجم ملعون نے ضرب لگائی تو آپ نے وصیت کی:

اما وصیتی فالله لا تشركوا به شيئاً و محمد صلى الله عليه وسلم فلا تضيعوا سنته اقيموا هذين العمودين و أوقدوا هذين المصباحين

(نہج البلاغہ وصیت ۲۳ ص ۶۶۸ مترجم طبع معل حویلی موچی دروازہ لاہور)

سنت کے ذکر کے بعد عمودین (دو ستون) اور مصباحین (دو چراغ) کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ پہلے اس وصیت میں کتاب اللہ کا ذکر ہو چکا ہے جسے شریف رضی پہلے کسی جگہ ذکر کر آیا ہے اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ضائع نہ کرنے کا درس روایت کر رہا ہے ظاہر کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی وصیت میں یہاں کتاب اللہ کے بعد حدیث ......... کا لفظ ضرور ہوگا جسے شریف رضی اس تسلسل میں محفوظ نہیں رکھ سکا۔

تاہم اس سے انکار کی کوئی راہ نہیں مل سکتی کہ شریعت محمدی میں علم کا دوسرا ماخذ سنت ہی ہے تیسرے نمبر پر امت اس کی مکلف ہے کہ وہ ان دونوں ستونوں کو کہیں گرنے نہ دے اور ان دو چراغوں کو کبھی بجھنے نہ دے۔ پھر یہ بات بھی کسی مومن کے دماغ سے نہ نکلے کہ لفظ امت میں صحابہ اور اہل بیت دونوں مل کر شامل ہیں۔ اگر حدیث ثقلین کتاب اللہ اور اہل بیت کو بیان کرے تو اس میں یہ سقم باقی رہے گا کہ حضور کی پھر سنت کہاں گئی؟ اسے تو کسی حیلہ سے بھی اسلام کے ماخذ علم سے نکالا نہیں جا سکتا۔ خطبہ غدیر خم کے حوالے سے

ایک روایت عام سنی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ اس میں اکثر ذاکرین کتاب اللہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیتے ہیں۔

اس روایت میں ثقلین میں سے کسی کا ذکر نہیں نہ قرآن کا نہ سنت کا اور صحیح مسلم کی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت میں غدیر خم کے خطبہ میں ثقلین کا لفظ بھی موجود ہے اور اولھما کتاب اللہ کے الفاظ بھی موجود ہیں اور اس حدیث میں من کنت مولاہ کا کہیں ذکر نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ روایت من کنت مولاہ بظاہر غدیر خم کی بات نہیں خطبہ غدیر خم کی صحیح روایت وہی رہی ہے جو صحیح مسلم میں ہے اور اس میں وثانیھما کے الفاظ بھی کہیں نہیں ملتے آپ اس خطبہ میں وہ ذکر نہ کر پائے

امام مسلم سے پہلے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو روایت کیا ہے اس میں بھی وثانیھما کے الفاظ نہیں ملے اب سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہاں سنت کا لفظ ذکر کرنا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یاد نہ رہا اور آخر میں وہ اہل بیت کو یاد رکھنے کی بات پر نکل آئے اور ظاہر ہے کہ اہل بیت کے حقوق کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا اور اس سب تفصیل کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ حدیث ثقلین میں اہل بیت یا سنت کا لفظ بغیر ثقل ثانی کسی صحیح سند سے نہیں ملتا۔

اہل سنت کی کتب حدیث میں جن کتابوں میں اہل بیت کے ثقل ثانی ہونے کی روایت ملتی ہے اس میں کوئی نہ کوئی شیعہ راوی ضرور ملتا ہے ظاہر ہے کہ اس کی کوئی روایت اہل سنت پر حجت نہیں ہو سکتی ان روایات کی تحقیق مطلوب ہو تو اس کے لیے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب لاجواب حدیث ثقلین کا مطالعہ کریں اس کتاب کا مقدمہ لکھنے کی سعادت اس عاجز کو حاصل ہوئی ہے۔ اس میں احقر نے حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) کی یہ عبارت بھی ہدیہ قارئین کی ہے:

> و کم من حدیث کثرت رواته و تعددت طرقه وهو حدیث ضعیف کحدیث الطیر و حدیث الحاجم والمحجوم و حدیث من کنت مولاه فعلی مولاه بل قد لا یزید کثرة الطرق الا ضعفاً (نصب الرایہ جلد ۱، ص ۳۶۰)

یہاں ہم حدیث ثقلین کی بات کر رہے تھے اس میں یہ روایت من کنت مولاہ فعلی مولاہ ضمناً آگئی ہے اسے حدیث ولایت بھی کہا جاتا ہے۔ اب آگے نمبر ۳ پر ہم اس کا آغاز کرتے ہیں۔

# (۳) حدیث ولایت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... أَمَّا بَعْدُ!

حدیث ولایت من کنت مولاہ فعلی مولاہ گو اہل سنت کی کتابوں میں اہل سنت راویوں سے کسی سند صحیح سے ثابت نہیں۔ مگر چونکہ یہ فضائل کے ابواب میں سے ہے۔ عقائد کے باب میں نہیں۔ اس لیے یہ عام مشہور زبان زد عام و خاص ہے۔ اس بحث کے ضمن میں کئی آیت اللہ اس آیت تبلیغ کو بھی لے آتے ہیں۔ حالانکہ غدیر خم کے قیام میں حضور ﷺ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی جسے وحی متلو کہا جا سکے یا آگے اس کی تلاوت جاری ہوئی ہو۔

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (پ۶، المائدہ ۶۷)

ترجمہ: اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ بچائے گا تجھ کو لوگوں سے۔ (وہ تجھ تک کبھی رسائی نہ پا سکیں گے)

اس کے بارے میں ان شاء اللہ ایک مستقل مضمون عالمی غلبہ رسالت کے عنوان سے ہدیہ قارئین کیا جائے گا۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ ویرضی بہ

یہاں صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس آیت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دونوں جگہ اہل کتاب کا ذکر ہے اور حضور ﷺ کے بین الاقوامی غلبہ کا ذکر ہے کسی خلافت کا کوئی ذکر نہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت کی وضاحت اس کے اپنے سیاق و سباق کے ساتھ ہونی چاہیے۔ مذکورہ حدیث میں کہ جس کا دوست میں ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا دوست ہے۔ (ولایت) دوستی میں ہے کہ کسی طرح تو علی رضی اللہ عنہ سے دور نہ جا۔ اس روایت کے بعض طرق میں یہ بھی ہے "اے اللہ تو اس سے محبت کر جو اس سے محبت رکھے اور اس سے دوری رکھ جو اس سے دور رہے" سو اس میں کوئی تردد نہیں رہتا کہ یہ حدیث دوستی اور محبت کے باب میں ہے خلافت کے باب میں نہیں اس ضعیف روایت کو اہل سنت محدثین بھی عام بیان کرتے

رہے کیونکہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں عام قبول کی جاتی ہے۔ ہاں عقائد کے لیے مضبوط دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، جو یہاں نہیں ہے۔

آٹھویں صدی ہجری کے دو بڑے عالم حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) اور حافظ جمال الدین الزیلعی رحمہ اللہ (۷۶۲ھ) اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی یہ شہادتیں دے چکے۔

۱. فلا یصح من طریق الثقات اصلاً۔

(منہاج السنۃ طبع قدیم جلد ۴، ص ۸۶ طبع جدید جلد، ص)

ترجمہ: یہ روایت ثقہ اور معتبر طریقے سے بنیادی طور پر ثابت نہیں ہے۔

۲. احادیث الجھر وان کثرت رواتھا لکنھا کلھا ضعیفۃ و کم من حدیث کثرت رواتہ وتعددت طرقہ وھو حدیث ضعیف کحدیث الطیر وحدیث الحاجم والمحجوم و حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ بل قدلا یزید کثرۃ الطرق الا ضعفاً (نصب الرایہ جلد ۱، ص ۳۶۰)

ترجمہ: نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھنے کی روایات اگرچہ بہت ہیں لیکن وہ سب کی سب ضعیف ہیں اور کتنی ہی روایات ہیں جن کے راوی بہت ہیں اور متعدد طرق رکھتی ہیں مگر وہ ضعیف ہیں جیسے حدیث الطیر اور حدیث افطر الحاجم والمحجوم و حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کثرت طرق بجائے اس کے کہ اس کے نقصان کو پورا کرے اس کے ضعف کو اور بڑھا دیتا ہے۔

اب اس پر بھی کچھ توجہ کیجیے کہ حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس طرح سنداً ضعیف ہے اس کی دلالت بھی اپنے موضوع پر کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل ثابت کی جائے ہرگز صریح اور واضح نہیں ہے۔

یہ سوال نہ کیا جائے کہ کیا آٹھویں صدی سے پہلے کے کسی معروف محدث سے اس کی تضعیف ثابت ہے؟ اگر ہے تو اس پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے۔

## الجواب:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے وہ ان کا اپنا وجدان نہیں انہوں نے اسے

تیسری صدی کے امام بخاری اور ابراہیم الحربی (۲۸۵ھ) اور بھی اس دور کے اور کئی محدثین سے لیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

تنازع الناس فی صحته فنقل عن البخاری وابراهیم الحربی وطائفة من اهل العلم بالحدیث انهم طعنوا فیه وضعفوه...... وقال ابو محمد بن حزم (۴۵۶ھ)...... و اما من کنت مولاه فعلی مولاه فلا یصح من طریق الثقات أصلاً. (منہاج السنہ جلد۴ص320)

ترجمہ: اس حدیث کی صحت میں علماء کا اختلاف چلا آ رہا ہے۔ امام بخاری اور امام ابراہیم الحربی اور اہل علم کے ایک پورے گروہ نے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے..........اور امام ابن حزم نے کہا ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ بنیادی طور پر ثقہ راویوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

اور امام ابوداؤد صاحب السنن (۲۷۵ھ) اور امام ابو حاتم الرازی (۳۲۷ھ) رحمہما اللہ نے بھی اس کی صحت میں کلام کیا ہے۔ عمدۃ المحدثین علامہ ابن حجر مکی (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

الطاعنون فی صحته جماعة من ائمة الحدیث وعدوله المرجوع الیهم کابی داؤد السجستانی وابی حاتم الرازی وغیرهم (الصواعق المحرقہ ص107، فصل 5)

ترجمہ: اس کی صحت میں ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے کلام کیا ہے اور ان عادلین نے جن کی طرف (تحقیق حدیث میں) رجوع کیا گیا ہے۔ جیسے امام ابوداؤد سجستانی (۲۷۵ھ) اور ابو حاتم الرازی (۳۲۷ھ)۔

اس پر پھر ایک سوال ابھرتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے کئی ان راویوں کی توثیق کی ہے جنہیں بعض دوسرے محدثین ضعیف کہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس کے بعد جب حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) کی کتاب نصب الرایہ دیکھی تو اس کی روشنی میں حافظ اب اپنے اس بیان پر نہ رہے اور انہوں نے نصب الرایہ کی تجرید الدرایہ میں اور اپنی تجرید تہذیب التقریب میں کھل کر اپنے بعض رواۃ کو جنہیں وہ پہلے ثقہ سمجھتے تھے ضعیف لکھا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اثناعشریوں کی دو شہادتیں اس پر کہ اس حدیث ولایت کی دلالت بھی موضوع خلافت پر واضح اور صریح نہیں پیش کر دیں۔ یہ ان کے دو بزرگ کتاب الاحتجاج کے مصنف علامہ طبرسی اور شرح تجرید کے مصنف علامہ طوسی ہیں۔ پہلے علامہ طبرسی کی شہادت لیجیے:

اثبت حجة الله تعريضاً لا تصريحاً بقوله في وصية من كنت مولاه فعلي مولاه (کتاب الاحتجاج ج ص ۱۳۵ طبع نجف اشرف)

ترجمہ: اس روایت (کہ جس کا مولیٰ میں ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے) کی دلالت حضرت علی کے حجۃ اللہ ہونے پر صریح نہیں اس میں اس پر صرف تعریض پائی جاتی ہے۔

۲۔ اختلفوا في دلالته على الامارة (شرح تجرید ص ۲۳۰ طبع قم)

ترجمہ: حدیث ولایت کی دلالت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امیر ہونے پر اختلافی ہے۔

یہ دو بڑے اثناعشری علماء کا بیان کہ حدیث ولایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا امیر ہونا صریح اور کسی متفق علیہ پیرائے میں نہیں ملتا یہ طالبان تحقیق کو اثناعشریوں کی پیش کردہ اور کئی دوسری روایات پر بھی مزید غور کرنے پر مجبور کرتا ہے اور ان میں انہیں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جس کا ثبوت بھی قطعی ہو۔ درجہ احاد کی روایات سے نہ ہو اور اس کی دلالت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امیر ہونے پر قطعی ہو اور ظاہر ہے کہ عقاید قطعی اور یقینی دلائل سے قائم ہوتے ہیں ظنی امور سے نہیں۔

اب ہم حدیث غدیر خم کے مضمون پر بھی کچھ مزید غور کریں آپ ﷺ نے بمقام غدیر خم دو خطبے دیئے تھے۔

## بمقام غدیر خم حضور ﷺ کے دو خطبے:

۱۔ وہ خطبہ جو صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت سے انی تارك فیکم الثقلین کے عنوان سے مروی ہے۔ اس میں اولھما تو مذکور ہے لیکن ثانیھما کا لفظ کہیں نہیں ملتا۔ اسے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اپنی کبرسنی میں بھول گئے اور آپ کے پاس آنے والے تین تابعین میں سے کسی نے آپ سے پوچھنے کی ہمت نہ کی اس واسطے اس کا مضمون کچھ ادھورا ہی رہا اور ظاہر ہے کہ اس کی تشنگی ہمیشہ محسوس کی جاتی رہے گی۔

۲۔ دوسرا خطبہ یہ حدیث ولایت ہے۔ من كنت مولاه فعلي مولاه اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب

حضور ﷺ اپنے سفر حج سے واپسی پر مدینہ جارہے تھے تو اس سفر میں کسی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ اختلاف ہو گیا اور دونوں آپس میں اُلجھ پڑے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا جو مجھے دوست رکھے وہ علی کو بھی دوست رکھے۔(اس سے نہ جھگڑے)

## وہ بات کیا تھی جس میں کوئی صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف میں آ گیا تھا؟

ہم نے تاریخ وسیر میں اس بات کو معلوم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن کسی روایت میں اس کا پتہ نہیں ملا۔ ہاں اس روایت سے اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ اس وقت مسلمانوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مامور من اللہ ہونے یا امام اول ہونے کا کوئی تصور تک نہ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کرنا کوئی گناہ نہ سمجھا جاتا تھا ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر توبہ کا حکم ضرور صادر فرماتے۔ اس روایت سے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے معصوم ہونے کی بھی پوری نفی ہو جاتی ہے کیونکہ معصوم سے کوئی اختلاف نہیں کیا جا سکتا یہ گناہ ہے اگر کسی سے صادر ہو تو اس کو توبہ کرنے کا کہا جائے گا۔

اگر اس بات کا پتہ چل جاتا جس میں اس صحابی یا بعض صحابہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہوا تو اس سے یہ بھی پتہ چل جاتا کہ اس تنازعہ میں حق پر کون تھا؟

بعض غیر مسلم یہاں یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ان کے اس تنازعہ کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حقائق اور دلائل سے کیوں نہ کیا؟ اس کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنے تعلق کا واسطہ کیوں دیا؟ آپ ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک خاندان کا رشتہ بھی تھا اور ایمان کا رشتہ بھی تھا تو اس حدیث ولایت سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ شاید اس تنازعہ میں وہ دوسرے صحابی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی بات میں اُلجھ پڑے تھے حق پر ہوں پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنا حق محبت ظاہر فرمایا جس سے اہل سنت نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اہل بیت کی محبت ہر مسلمان پر لازم ہے۔ مستشرقین مسلمانوں سے جب بھی حضور ﷺ کی سیرت پر نزاع کرتے ہیں تو برملا پوچھتے ہیں کہ آپ جن باتوں کو عام مسلمانوں کے لیے جائز فرماتے تھے اپنے گھر کی باری آئی تو آپ (معاذ اللہ) اس میں دوسری رائے قائم کر لیتے تھے۔ آپ نے غدیر خم کے تنازعہ میں امر واقع پر فیصلہ نہ دیا۔ ان اختلاف کرنے والوں کو اپنے حق محبت کا احساس دلایا۔ اپنی امت کے لیے تو چار بیویوں کو جائز ٹھہرایا لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی

سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے انہیں اس سے منع کیا۔

ہم جواباً ان مستشرقین کو کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنے بارے میں سب سے زیادہ محبت کرنے کا سبق اس لیے دیا تھا کہ اس محبت کی رو سے ان پر حضور ﷺ کی پیروی اور شریعت کی پابندی آسان ہو جائے۔ شریعت پر عمل کرنا ان کے لیے بوجھ نہ رہے اب حضور ﷺ کی انتہائی محبت کا ایک تقاضا یہ بھی تھا کہ آپ کی امت کو آپ ﷺ کے رشتہ داروں سے بھی محبت ہو۔ حدیث ولایت میں اس سے بڑھ کر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی اور بات نہیں کی۔

رہی دوسری بات کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منع فرمایا۔ یہ منع کی روایت ہماری نظر سے کہیں نہیں گزری۔ آپ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دے۔ اللہ کے پیغمبر کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس وقت ہم حضور ﷺ کی سیرت مقدسہ پر بات نہیں کر رہے یہ بات صرف ضمناً سامنے آ گئی تھی۔ بات حدیث ولایت پر ہو رہی ہے۔ اس میں لفظ مولیٰ ولایت سے ہے اور اس کا معنی ہے دوستی اور دوستی کا لفظ دشمنی کے مقابل ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا حاصل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی رکھنے کی ہی طلب ہے۔ یہ کوئی ان کی خلافت کی طلب نہیں اور اس کا قرینہ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے:

اللّٰھم والِ من والاہ وعادِ من عاداہ

ترجمہ: اے اللہ! تو اس سے محبت رکھ جو اس سے محبت رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو اس سے عداوت رکھے۔

یہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں جو دوستی چاہی تھی اس پر کوئی امر زائد نہیں ہے یہ صرف اس کی تفصیل ہے کہ یہاں ولایت علی صرف ان کی دوستی کے معنی میں ہے۔ خلافت کا اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔

## اس حدیث کا آیت تبلیغ دین سے کوئی تعلق نہیں:

جب بمقام غدیر خم حضور ﷺ پر کوئی آیت نہیں اتری تو ظاہر ہے کہ آیت تبلیغ دین (بلغ ما انزل الیك) کا مقام غدیر خم سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ نہ اس آیت کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ میرے پیغمبر تو علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ضرور اعلان کر۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے مرض وفات میں کاغذ اور قلم طلب فرمایا جس کا مطلب یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شاید آپ کسی کی خلافت کا حکم لکھوانا چاہتے ہوں۔

اس کی مزید تصدیق اس سے بھی ہو جاتی ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات پر انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک بڑا اجتماع کیا کہ خلیفہ کا انتخاب انصار میں سے کیا جائے بظاہر یہ صورت حال مہاجرین کے خلاف تھی۔ اس سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ غدیر خم کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا کوئی اعلان نہ ہوا تھا ورنہ یہ صورت حال کبھی واقع نہ ہو پاتی۔ اس سے اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ حدیث ولایت کا خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

شیعہ غدیر خم کے اس خطبہ سے جو حدیث ولایت میں ہے اس قدر خوش ہیں کہ وہ اس کی خوشی میں عید مناتے ہیں اور اس کا نام یہ بتایا جاتا ہے عید "غدیر خم" اس کے لیے انہوں نے دن بھی کونسا چنا؟ ۱۸ ذوالحجہ۔ اور ہمارے عوام یہ نہیں جانتے کہ یہ خلیفہ راشد امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت ہے۔

اب اس تاریخ پر دو چیزیں جمع ہو گئیں۔ (۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا غم (۲) اور عید غدیر خم کی خوشی۔

اب یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خوشی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بمقام غدیر خم خلیفہ مقرر ہونے کی خبر ایک ہی دن یعنی ۱۸ ذوالحجہ کی دو تاریخی یادیں ہیں۔ یہ وہ تاریخی تضاد ہے جس نے آج تک اہل سنت اور شیعہ کو کہیں متحد نہیں ہونے دیا۔ آج بھی اگر اثنا عشری یہ بات مان لیں کہ ۱۸ ذوالحجہ کو عید غدیر خم کی خوشی منانا دراصل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ان کی اپنی اعتقادی برأت کا اظہار ہے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی نامزدگی نہیں۔ تو اہل سنت اور شیعہ آج بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے ہیں لیکن کیا کریں اثنا عشری اب تک اپنے عقائد سے یہ بات نکالنے کے لیے تیار نہیں کہ پہلے تین خلفائے

راشدین رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنا ان کے ہاں واجبات ایمان میں سے ہے۔

حدیث ولایت کے بارے میں یہ آخری بات تھی جو ہم نے ہدیہ قارئین کر دی ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے جاہل مسلمانوں میں ۲۲ رجب کو حلوہ پوری کے کونڈے نکالنے کی ایک تھپی رسم جاری کر دی گئی اور پھر تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یوم وفات تھا جس کی خوشی کا اظہار اس تھپے انداز میں جاہل مسلمانوں میں لایا جاتا ہے۔

واللہ أعلم وعلمه أتم وأحكم

# (٤) حدیث دوازدہ امیر (حدیث ۱۲ امام)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

دنیا میں عام انسانی زندگی ایک اجتماعی پیرایہ میں ہی چلتی ہے انسان فطری طور پر ایک تمدن کا محتاج ہے۔ انسانوں کا ہر حلقہ اپنی ضروریات پوری کر کے دوسروں کی ان کے حلقوں میں کوئی ضرورت پوری کر رہا ہے ہر حلقے میں کام کرنے والے کسی کو بڑا بنا کر اپنی یہ تمدنی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ ہر انسانی سوسائٹی کو ایک امیر کی اپنی تمدنی زندگی میں ضرورت ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس ضرورت کو ایک لابدی (جس کے بغیر کام چل نہ سکے) ضرورت کہتے ہیں۔ شریف رضی آپ سے نقل کرتا ہے آپ نے کہا:

انه لا بدّ للناس من امير بر او فاجر يعمل فی أمرته المومن ويستمتع فيها الكافر ويبلغ الله فيها الاجل ويجمع به الفئ ويقاتل به العدو وتأمن به السبل ويوخذ به للضعيف من القوی حتی يستريح بر ويستراح من فاجر

(نہج البلاغہ جلد اول خطبہ ۴۰، ص ۱۸۴ مترجم مغل حویلی موچی دروازہ لاہور)

ترجمہ: لوگوں کے لیے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے وہ اچھا ہو یا برا اگر وہ اچھا ہو گا تو مومن اس کی حکومت میں اچھے عمل کر سکے گا اور برا ہو گا تو کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ اندوز ہو گا اور اللہ اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حدوں تک پہنچا دے گا حاکم کی وجہ سے مال خراج وغنیمت جمع ہوتا ہے اور دشمن سے لڑا جاتا ہے رستے پر امن رہتے ہیں اور قوی سے کمزور کو حق دلایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نیک حاکم راحت پائے اور برے حاکم کے مرنے یا معزول ہونے سے دوسروں کو راحت پہنچے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی اہل سنت کی کتابوں سے بھی اس طرح تصدیق ملتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما الامام جُنّة يقاتل من ورائه ويُتّقى به فان امر بتقوی الله وعدل كان له بذلك اجر وان يأمر بغيره كان عليه منه (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۱۲۶)

ترجمہ: بیشک امام (امیر) ایک ڈھال ہے جس کی ماتحتی میں دشمن سے لڑا جاتا ہے اور بچا جاتا ہے اگر وہ اللہ کے ڈر سے چلے اور عدل کرے اسے اس پر اجر ملتا ہے اور اگر وہ تقوی کے بغیر چلے تو اس زیادتی کا بوجھ اسی پر آتا ہے۔

حضرت امام نووی ؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں یقاتل من ورائہ سے مراد کفار، مسلم بغاۃ، خوارج اور سب اہل فساد ہیں۔ اور یتقی بہ سے مراد دشمن کے شر اور مطلق اہل فساد کے شر سے بچنا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم دو طرح کے ہوتے ہیں اچھے ہوں یا برے اور نظام مملکت و سلطنت ان کے بغیر چل ہی نہیں پاتا اور یہ وہی بات ہے جو حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے بقول شریف رضی کہی ہے سو امیر کا ہونا ضروری ہے وہ اچھا ہو یا برا اور ہر مہذب سوسائٹی میں امیر کی ضرورت سے چارہ نہیں وہ کس طرح بھی ہو اسلام کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیشگوئی فرمائی کہ بارہ امیروں تک حوزہ اسلام اس قدر قوی اور منیع رہے گا کہ حوزہ اسلام پر حملہ کرنے کی کسی دشمن کو ہمت نہ ہوگی۔ حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث کو شیعوں نے خواہ مخواہ بارہ امام کی حدیث بنا لیا ہے اور وہ اسے اپنے بارہ اماموں پر لائے ہیں۔ لیکن وہ اس حقیقت کو یکسر بھول جاتے ہیں کہ یہ حدیث حکمرانوں کے بارے میں ہے اور ان کے بارہ اماموں میں نو امام تو اس طرح رہے کہ ایک دن کی حکومت بھی وہ کہیں کر نہ پائے۔ اس پہلو سے تاریخ کے ان بارہ حکمرانوں میں کون ہے اور کون نہیں اس میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ قطع نظر اس سے یہ بات روز روشن سے زیادہ واضح ہے کہ اس حدیث سے مراد اثنا عشریوں کے بارہ امام ہرگز مراد نہیں ہیں کیونکہ ان میں تو کوئی ایک دن بھی حکومت نہ کر پائے حضرت امام زین العابدین جب مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے اس وقت حوزہ اسلام کو کھلے دشمنان اسلام سے کون بچائے ہوئے تھا؟ اور خود حضرت امام کس کی حفاظت کے سایہ تلے شام سے مدینہ منورہ آئے تھے اور وہاں ان کا درس حدیث قائم ہوا تھا؟

شیعوں کا یہ وسوسہ غلط ہے کہ وہاں مسجد نبوی میں امام زین العابدین کا خاص شاگرد زہری تھا یہ ہرگز درست نہیں۔ ابن شہاب زہری شیعہ نہ تھا ورنہ امام مالک ؒ جیسے عظیم امام اہل سنت اس سے ہرگز روایت نہ لیتے شیعوں نے خواہ مخواہ انہیں اپنی اسماء الرجال کی کتابوں میں شیعہ ظاہر کر رکھا ہے۔

اس صورت حال سے نکلنے کے لیے بعض شیعہ مبلغین یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ مسجد نبوی میں امام زین العابدین کے درس حدیث کے دو حلقے تھے ایک عام اور دوسرا خاص اور یہیں سے ان کے ہاں عامہ اور خاصہ کی دو اصطلاحیں چلیں۔ ابن شہاب زہری ان کے خاص حلقے کے طالبعلم تھے اور ان پر ان کی پوری

حکومت چلتی تھی۔ ان کا دوسرا حلقہ عامہ میں تھا جہاں وہ کبھی تقیہ بھی کرتے تھے۔ سو اس راہ سے امام زین العابدین امام محمد باقر امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم بھی اپنے اپنے وقت میں حکمران رہے اور حدیث دوازدہ امام اپنے موضوع میں قائم رہی۔

## الجواب:

حدیث دوادزہ امیر میں جس حکم رانی اور امارت کا ذکر ہے وہ منیعاً کے لفظ کی روشنی میں وہ حکم رانی ہے جو سرحدی دشمنوں کو حملے سے روک رہی ہو نہ یہ علمی آزادی جس میں حضرت امام زین العابدین مسجد نبوی میں اپنے درس حدیث میں بالکل آزاد تھے۔

شیعہ مبلغین کے ہاں اس درس خاص کا سلسلہ ابن شہاب زہری کے بعد جابر جعفی سے چلا اور بڑے بڑے ائمہ علم جابر جعفی کے حلقہ کے معتقد ہوئے۔ حضرت امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) جن کی علمی شان اہل کوفہ میں مسلمات میں سے تھی وہ بھی جابر جعفی سے روایت لے لیتے تھے صرف حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو جابر جعفی کے خلاف تھے اور نقدِ حدیث میں ان کی نظر بہت گہری تھی۔ اس صورت حال میں مناسب ہوگا کہ ہم حدیث دوادزہ امیر اپنی کتب حدیث سے ہدیہ قارئین کریں۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ( ھ) کہتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا میرے ساتھ میرے والد حضرت سمرہ بھی تھے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

> لایزال الاسلام عزیزاً منیعاً الی اثنی عشر خلیفة ثم قال کلمة لم افهمها فقلت لابی ما قال قال کلهم من قریش
>
> (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۱۱۹ صحیح بخاری جلد ۲، ۱۰۷۲)
>
> ترجمہ: اسلام (حوزہ اسلام) برابر غالب رہے گا (باہر سے کوئی طاقت اس کے خلاف اٹھ نہ سکے گی) وہ منیع ہوگا ان سب کے خلاف۔ یہ بات بارہ حکمرانوں تک رہے گی (وہ اچھے ہوں یا برے اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں) اس کے بعد آپ نے کوئی بات کہی میں لوگوں کے شور سے اسے سن نہ پایا یا سمجھ نہ سکا میں نے اپنے والد سے پوچھا آپ نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا آپ نے فرمایا یہ بارہ حکمران قریش سے ہوں گے۔

ان حکمرانوں کے لیے خلیفہ کا لفظ صحیح مسلم کی روایت میں متن حدیث میں ہے۔ صحیح بخاری میں اس کی بجائے امیر کا لفظ ہے سو اس سے مراد سیاسی حکمران ہی ہیں۔ سو ان بارہ میں اچھے برے دونوں ہو سکتے ہیں لفظ امام بھی ہو تو حکمران ہی مراد ہوگا۔ تاہم اس حدیث الائمہ من قریش پر مزید نظر کی ضرورت

ہے۔ ان بارہ کا مقسم قریب قریش ہوگا جسکی آگے بہت سی شاخیں ہیں۔

## بارہ حکمران قریش میں سے ہوں گے:

حضور اکرم ﷺ اپنے کلام میں جوامع الکلم کی فضیلت دیئے گئے تھے سو آپ کا کلام کبھی فصاحت اور بلاغت کے بغیر نہیں ہوسکتا علم معانی میں اس پر بحث کی گئی ہے کہ ہر تقسیم اپنے مقسم قریب کی ہوتی ہے مقسم بعید کی نہیں۔ یہ بارہ حکمران اپنے مقسم قریب کی رو سے قریش میں سے بتلائے گئے ہیں ان کا مقسم بعید عرب قوم یا بنی سام ہیں انہیں ان بارہ کا مقسم ٹھہرانا علم معانی کے خلاف ہوگا یعنی اس حدیث کو یوں نہ بیان کیا جاسکے گا کہ یہ بارہ عربوں میں سے ہوں گے یہی کہا جائے گا کہ وہ قریش سے ہوں گے اور یہی ان کا مقسم قریب ہے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بارہ قریش کے کسی ایک بطن سے نہ ہوں گے قریش کے مختلف بطون سے ہوں گے اگر یہ بارہ قریش کے کسی ایک بطن سے ہوتے تو پھر اس حدیث کا مقسم قریب وہ بطن ہوتا، قریش نہیں۔ حضور ﷺ کا انہیں **کلھم من قریش** سے بیان کرنا بتلاتا ہے کہ وہ سب بنو امیہ یا بنو ہاشم یا بنو تیم اور بنو عدی سے ہونگے۔ ان سب کا مقسم قریب قریش ہوگا۔

سو اثناعشری جس طرح یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ سب بنو ہاشم سے ہونگے اس سے ان کا مقسم قریب بنو ہاشم ٹھہرتا ہے قریش نہیں۔ اس کے لیے حضور ﷺ کو یہ کہنا چاہیے تھا **کلھم من بنی ھاشم** نہ کہ **کلھم من قریش** یا دونوں کو سامنے رکھ کر آپ یوں فرماتے۔ **الائمۃ من قریش غرسوا فی بطن من بنی ھاشم** جب اہل سنت کتب حدیث میں یہ روایت کسی جگہ اس طرح نہیں تو معلوم ہوا کہ حدیث الائمہ من قریش کسی صورت میں صرف بنی ہاشم کی خلافت کے لیے نہیں ہوسکتی۔ حدیث کے یہ الفاظ خود اس عقیدے کی کھلی تردید کررہے ہیں کہ وہ سب بنی ہاشم میں سے ہوں گے۔

## حدیث الائمہ من قریش کی تفہیم ایک اور طریق سے

امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے اپنی سنن میں (جلد 2، ص 239) اس حدیث کو اس طرح بھی روایت کیا ہے۔ امام محی الدین نووی (۶۷۶ھ) اسے امام ابوداؤد سے اس طرح بھی نقل کرتے ہیں:

**ویجتمع المسلمون علیہ کما جاء فی سنن ابی داؤد کلھم تجتمع علیہ الامۃ**
(شرح صحیح مسلم جلد ۲، ص ۱۱۹)

ترجمہ: تمام مسلمان ان میں ہر ایک کی خلافت پر متفق ہوں گے ان میں سے ہر ایک پر پوری

امت جمع ہوگی۔

سو اس شرط کی رو سے امام موسیٰ کاظم ان بارہ اماموں میں نہیں آتے انہیں لوگ صرف اثنا عشریوں کا امام جانتے ہیں۔ اسمٰعیلی شیعہ انہیں امام نہیں مانتے وہ ساتواں امام حضرت امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے اسمٰعیل کے بیٹے کو مانتے ہیں اور اب تک شیعوں کا یہ اسمٰعیلی سلسلہ ظاہر امام کے پیروؤں کا ملتا ہے اور اثنا عشریوں کو سب امام غائب کے منتظر سمجھتے ہیں۔

سو یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ اثنا عشریوں کے بارہ امام کسی طرح اس حدیث دوازدہ امیر کی مراد نہیں ہو سکتے۔ اور نہ اس حدیث کی رو سے ان کی کوئی فضیلت ثابت ہوئی ہے ہاں اتنی فضیلت ان کے لیے ضرور نکلتی ہے کہ ان کے دور میں اسلام کے کھلے دشمنوں میں سے کوئی سرحدات اسلام پر حملہ آور نہ ہو سکے گا اور اس دور میں یزید کا ساڑھے چار سال کا دور حکومت بھی آ جاتا ہے۔ وہ اپنے والد کی وصیت پر عمل نہ کرنے سے عقوقِ والدین کا ضرور مرتکب تھا۔

اس بات کو حل کرنے کے لیے سارے قارئین حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر بھی کچھ غور کریں آپ کے دور میں مدینہ منورہ میں یزید کی طرف سے والی کون تھا؟ عبداللہ بن مطیع۔ امام مسلم اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسے ملنے گئے آپ کا ارادہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنانے کا تھا۔ عبداللہ بن مطیع نے جب اتنے بڑے آدمی کو اپنے ہاں آتے دیکھا تو اس نے معاً اپنے عملے کو کہا کہ آپ کے لیے چٹائی بچھائیں آپ نے اسے اس سے منع کیا اور فرمایا میں تمہارے ساتھ مجلس کرنے نہیں آیا تجھے صرف ایک حدیث سنانے آیا ہوں۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کی سلطنت ایک ہو تو اسے کسی طرح دو نہ ہونے دینا اس سلطنت کی وحدت اتنی ضروری ہے کہ اس کے لیے ہر قربانی دی جا سکے گی۔

عن نافع قال جاء عبداللہ بن عمر الی عبداللہ بن مطیع حین کان من امر الحرة ما کان زمن یزید بن معاویه فقال اطرحوا لابی عبدالرحمن وسادة فقال انی لم اتك لاجلس اتیتك لاحدثنك حدیثا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول من خلع یدا من طاعة لقی اللہ یوم القیمة لاحجة له ومن مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۱۲۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر عبداللہ بن مطیع کے ہاں ایام حرہ میں گئے جب یزید بن معاویہ حکمران تھا عبداللہ بن مطیع نے انہیں دیکھتے ہی اپنے عملے کو حکم دیا کہ ان کے لیے تکیہ بچھاؤ حضرت عبداللہ نے فرمایا میں تجھ سے مجلس کرنے نہیں آیا میں تمہیں ایک حدیث

سنانے آیا ہوں۔

میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس نے کسی امیر کی سلطنت سے خروج کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن اس طرح پیش ہوگا کہ اس کے پاس اس کی کوئی حجت نہ ہوگی اور جو شخص کسی امام کی طاعت کے بغیر مرا تو اس کی وہ موت جاہلیت کی موت شمار پائے گی۔

اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تقریباً وہی بات بیان کی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہی تھی کہ لوگوں کے لیے کوئی نہ کوئی امیر وہ اچھا ہو یا برا ہو ضرور ہونا چاہیے اس کے بغیر کوئی انسان تمدن قائم نہیں کر پاتا۔ اس روایت کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یزید کی بیعت کرنے کی وجہ پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے یزید کی حکومت کو کیوں تسلیم کیا تھا۔ وہ صرف اس لیے کیا تھا کہ سلطنت اسلامی جو دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی اور اسے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے ایک بڑی قربانی سے پھر سے ایک کیا تھا وہ کسی غلطی سے پھر نہ دو حصوں میں بٹ جائے ورنہ وہ یزید کو کسی درجے میں کوئی فضیلت نہ دیتے تھے ان کا دل ہمیشہ سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا اس حدیث کی روشنی میں اس سوال کا جواب کھل کر سب کے سامنے آ جاتا ہے کہ:

## حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف کیوں خروج نہ کیا؟

صرف اس لیے کہ سلطنت اسلامی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اس عظیم قربانی کے بعد پھر سے دو حصوں میں نہ بٹ جائے۔ اس میں آپ نے جو حدیث والی مدینہ عبداللہ بن مطیع کو سنائی۔ اسی طرح کی ایک دوسری حدیث حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ سے اس طرح روایت کی ہے۔ آپ نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا:

فمن اراد ان یفرق امر ھٰذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائناً من کان

(صحیح مسلم جلد ۲، ص ۱۲۸)

ترجمہ: جو چاہے کہ اس امت کو ایک ہونے کے بعد پھر سے دو حصے کر دیے تو اسے فوراً قتل کر دو وہ جو بھی ہو۔

اس حدیث کا معنی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:

فیہ الامر بقتال من خرج علی الامام او اراد تفریق کلمۃ المسلمین ونحو ذلک وینھی عن ذلک وان لم ینتہ قوتل

ترجمہ: اس میں اس سے قتال کا حکم ہے جو امیر کی اطاعت سے نکلے یا حوزہ اسلام میں تفریق ڈالے اسے اس سے روکا جائے اگر وہ نہ رکے تو اس سے قتال کیا جائے۔

## ایک اور اہم سوال اور اس کا جواب:۔

اس پر شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال اٹھے کہ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف کیوں خروج کیا؟ اس کا واضح جواب یہی ہے کہ انہوں نے بھی خروج نہ کیا تھا کیا کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر کسی حاکم کے خلاف خروج کرتا ہے؟ کبھی نہیں، یہ خروج ہوتا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنی آخری شرطوں میں کبھی یہ صورت پیش نہ کرتے کہ مجھے واپس مدینہ جانے دیا جائے صرف اتنی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ وہ یزید کے ظاہری کردار سے خوش نہ تھے اور وہ اس کی سلطنت میں مدینہ نہ رہنا چاہتے تھے۔

اس وقت ہمارا موضوع یہ سانحہ کربلا نہیں یہ بات صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سامنے آگئی ہے کہ وہ دل سے یزید کی کسی فضیلت کے قائل نہ تھے اور اس کے خلاف وہ اس حدیث کی وجہ سے خروج بھی نہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ تو اس پر بھی مطمئن تھے کہ اسلامی سرحدوں کے پاس کسی جگہ وہ سکونت پذیر ہو جائیں اور کسی سیاست میں نہ آئیں۔

## برصغیر پاک وہند کے اہل سنت یزید کو بارہ امیروں میں شمار نہیں کرتے:

یہ حقیقت ہے کہ یزید کا دور حکومت ساڑھے چار سال کے قریب رہا مگر برصغیر پاک وہند کے اہل سنت کے مرکزی بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) رحمۃ اللہ علیہ یزید کو بارہ امیروں کی فہرست میں جگہ نہیں دیتے۔ آپ اپنی کتاب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں لکھتے ہیں کہ یزید اپنے پورے دور حکومت میں کبھی استحکام پا نہ سکا ہمیشہ ہنگامی حالات میں ہی گھرا رہا۔ (کبھی اپنے آپ کو حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ سے بچانے میں کبھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بچانے میں کبھی واقعہ حرہ میں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی زندگی تک وہ مکہ میں حکومت پا نہ سکا) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> یزید بن معاویۃ خود ازیں میان ساقط است بجھت عدم استقرار و حدت معتدبہا و سوء سیرت او ... (قرۃ العینین ص ۲۹۸ مطبع مجتبائی دہلی)

ترجمہ: یزید بن معاویہ ان بارہ امیر کی فہرست میں نہ آئے گا کیونکہ وہ مدت مدید ملنے کے باوجود کبھی اپنی حکومت میں استقرار پا نہ سکا اور اپنی بری عادات کے باعث (وہ ان حکمرانوں کی فضیلت نہیں پاتا جو اپنے وقت میں حوزہ اسلام کو ایک رکھے ہوتے ہوں)

عرب ممالک میں اگر بعض علماء یزید کو اس فہرست میں لاتے رہے تو برصغیر پاک و ہند کے علماء کو اس میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کے ساتھ رہنا چاہیے۔ علماء دیوبند رحمہ اللہ محدثینِ دہلی رحمہ اللہ کے ہی علمی وارث سمجھے جاتے ہیں۔

## ایک اور سوال اور اس کا جواب

بعض لوگوں نے اس پر سوال اٹھایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو اپنے عہد خلافت میں استحکام نہ پا سکے تھے وہ بارہ حکمرانوں کی فہرست میں کیسے آ گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی خلافت کبھی زیر اختلاف نہ رہی والی شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی ان سے خلافت میں نزاع نہ تھا وہ صرف بیعت میں تاخیر کیے ہوئے تھے کہ پہلے امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو گرفت میں لو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس میں کسی مناسب وقت کے انتظار میں تھے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنی شہادت سے پہلے ان کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس بات پر مصالحت ہو گئی تھی کہ دونوں اپنے اپنے مقبوضات میں نظام چلائیں کوئی کسی دوسرے پر حملہ آور نہ ہو۔ پھر اسی پیشرفت کی تکمیل میں حضرت سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے انہیں امیر معاویہ بنا دیا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت میں پورا استحکام و استقرار حاصل تھا اور اس کے لیے جنگ صفین ایک بڑی شہادت ہے کہ شامی فوجوں نے بھی اپنی شکست سے بچنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افواج کے سامنے قرآن پیش کر دیئے تھے کہ یہ کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے اس روشنی میں کوئی صاحب علم یہ نہیں کہہ سکتا کہ معاذ اللہ چوتھے خلیفہ راشد کو اپنی سلطنت میں استحکام حاصل نہ تھا۔ اگر وہ اپنے عہد حکومت میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فیصلوں پر ہی چلتے رہے تو اس کی وجہ ان کی اپنی خلافت کی کمزوری نہ تھی۔ وہ اس حقیقت سے اچھی طرح خبردار تھے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اب تک مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ صرف قاضی نور اللہ شوستری کی رائے رہی ہے کہ انہیں اپنی سلطنت میں حقیقی استحکام حاصل نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی مختلف فیہ بات سے کسی بات کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ کسی اختلاف کو مٹانے کے لیے کسی اتفاق کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس پر ہم حدیث بارہ امیر کی بحث ختم کرتے ہیں۔

# (۵) حدیث اغضابِ فاطمہ رضی اللہ عنہا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

خاص و عام حلقوں میں یہ حدیث خاصی مشہور چلی آ رہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے مجھے ناراض کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ شیعہ کی طرف سے اس حدیث کا سارا بوجھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ڈالا جاتا ہے اور پھر روایات کی روشنی میں اس کا کچھ بوجھ آتا ہے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر۔ اور حقیقت میں یہ دونوں حضرات اس الزام سے بری ہیں۔

اس صورت حال میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے طلبہ حدیث کو اس حدیث کی کچھ اس طرح تفہیم کرائیں کہ اس کا بوجھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما میں سے کسی پر نہ آئے۔ واللہ ھو المستعان وعلیہ التکلان۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گہرے رابطے کو بیان کرنے کے لیے آپ کی یہ شان بیان فرمائی:

حضرت مسعود بن مخرمۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان فاطمۃ بضعۃ منی یوذینی ما اٰذاھا (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۲۹۰)

فاطمۃ بضعۃ منی فمن ابغضبھا فقد اغضبنی (صحیح بخاری جلد ۱، ص ۵۳۲)

یہاں سے لفظ اغضاب سامنے آتا ہے اور اس سے حدیث اغضاب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عنوان قائم ہوتا ہے۔

## کچھ لفظ اغضاب کے بارے میں:

یہ غضب (غصہ) سے باب افعال ہے یعنی کسی کو دانستہ غصہ دلانا باب افعال کا ایک خاصہ تعدیہ ہے یعنی آگے دوسرے تک بات لے جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں لفظ اغضاب ارشاد فرمایا جس سے مراد یہ ہے کہ جس نے فاطمہ کو غصہ دلایا اس نے مجھے غصہ دلایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ کہا۔

من غضبت علیہ غضبت علیہ

ترجمہ: جس پر فاطمہ ناراض ہوئیں اس پر میں بھی ناراض ہوا۔

جب حضرت علی مرتضیٰ نے ابوجہل کی بیٹی کو نکاح میں لینے کی خواہش کی تو ان کا ارادہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کرنے کا نہ تھا اور جب وہ ناراض ہوئیں تو آپ نے اس نکاح کا ارادہ چھوڑ دیا اس سے

صاف سمجھا جاتا ہے کہ آپ کا ارادہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کرنے کا نہ تھا۔ آپ نے اغضاب نہ کیا تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر اس پر ناراض ہوئیں تو یہ غضب تو ہے لیکن اغضاب نہیں اور نہ کوئی مؤمن سمجھ سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ناراض کرنے کا ارادہ کیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی ناراضگی کا اظہار نہ کیا تھا کیونکہ ابوجہل کی مسلمان بیٹی کو پیغام نکاح دینا شرعاً گناہ نہ تھا آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ علی اگر اسے اپنے نکاح میں لانا چاہتے ہیں تو فاطمہ کو طلاق دے دیں پیغمبر کی بیٹی اور ابوجہل کی بیٹی ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ غضب اور اغضاب میں فرق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لفظ اغضاب سے نکیر فرمائی ہے، غضب (غصہ) سے نہیں غصہ بیشتر بشری تقاضے سے بھی واقع ہو جاتا ہے اور دوسرے کو عمداً غصہ دلانا یہ ایک دوسری شئ ہے اسی طرح یہ سمجھ لیجیے کہ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فدک نہ ملنے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض بھی ہوئی ہوں تو آپ کی ناراضگی ایک بشری تقاضے سے تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انہیں فدک کا قبضہ نہ دینا انہیں ناراض کرنے کے لیے نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیت اغضاب کی ہرگز نہ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اغضاب پر نکیر فرمائی۔ غضب پر نہیں وہ صرف بشری تقاضے سے بھی واقع ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے قرابت رسول کی وہ شان بیان کی کہ کوئی نادان سے نادان شخص بھی اسے اغضاب نہ کہہ سکے گا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

> ''کمال نادانی کی بات ہے کہ کوئی شخص صدیق اکبر کی طرف یہ بات منسوب کرے کہ انہوں نے بالقصد حضرت فاطمہ کو غصہ دلایا''
>
> اور آگے جا کر یہ بھی لکھتے ہیں:
>
> روایات کو ٹٹولیے تو معلوم ہو جائے گا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مکرر یوں کہا:
>
> "والذی نفسی بیدہ لقرابۃ رسول اللہ ﷺ احب الی ان اصل من قرابتی
>
> (صحیح بخاری جلد ۱، ص ۵۲۶)
>
> ترجمہ: یعنی اللہ کی قسم! اے رسول اللہ کی صاحبزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے ساتھ صلہ کرنا اور ان کی خدمت کرنا مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اپنے قرابتوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے''
>
> اور جب ان کی طرف سے اغضاب ہی نہ ہوا یعنی انہوں نے بالقصد ان کو غصہ نہ دلایا بلکہ حتی المقدور اس کا بچاؤ ہی کیا تو پھر وہ کس طرح اس وعید میں داخل ہوں گے؟ اگر بالفرض کچھ ہوا بھی تو اتنا ہوا کہ حضرت فاطمہ بمقتضائے بشریت غصہ ہو گئی ہوں۔
>
> (ہدیۃ الشیعہ ص ۲۹۴ طبع جدید ملتان وطبع سوم ملتان ص ۲۶۰)

آگے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ من اغضب فاطمۃ فقد اغضبنی کا پورا

پس ... کو بھی قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے تھے اور اس کے باعث حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نے پھر حضرت سہل بن سعد کی یہ روایت بھی اپنے لفظوں میں پیش کی ہے ہم اسے یہاں صحیح مسلم سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں:

جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم بيت فاطمة رضي الله عنها فلم يجد عليا في البيت فقال اين ابن عمك فقالت كان بيني وبينه شئ فغاضبني فخرج فلم يقل عندي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لانسان أنظر اين هو فجاء فقال يا رسول الله هو في المسجد راقد فجاءه رسول الله ﷺ وهو مضطجع قد سقط رداءه عن شقه فاصابه تراب (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۲۸۰)

اب اسے حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کے لفظوں میں پڑھیں۔ آپ لکھتے ہیں:

ایک بار حضرت امیر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے رنجیدہ ہو کر گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں زمین ہی پر بدوں تکیہ بچھوئے سو گئے۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قصے کی خبر ہوئی آپ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت زہراء نے عرض کیا مجھ سے لڑ کر نکل گئے اور دوپہر کو بھی یہاں نہیں سوئے۔

یہ دونوں روایتیں کچھ سنیوں ہی کی کتابوں میں نہیں شیعوں کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔

حضرت فاطمہ آخر بشر تھیں بمقتضائے بشریت غصہ آ جاتا تھا ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تو انہوں نے موافق حکم خدا اور رسول اللہ ﷺ کوئی گناہ یا کسی گناہ کا ارادہ نہ کیا تھا پھر اب غصے کی وجہ بجز مقتضائے بشریت اور کچھ نہیں۔

اس روایت میں فغاضبني کے الفاظ صریح طور پر موجود ہیں۔ تاہم یہ بات بھی یقینی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے اغضاب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ارادہ نہ کیا تھا اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں فدک پر قبضہ نہ دینے سے انہیں غصہ دلانے کا قصد نہ کیا تھا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر نے یہ کہا تھا:

فقال ابوبكر رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا نورث ما تركنا فهو صدقة انما يأكل آل محمد من هذا المال يعني مال الله ليس لهم ان يزيدوا على الماكل واني والله لا اغير شياء من صدقات النبي صلى الله عليه وسلم التي كانت عليها في عهد النبي صلى الله عليه وسلم ولا عملن فيها بما عمل رسول الله صلى الله عليه وسلم (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۲۴۶)

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم (گروہ انبیاء) وراثت نہیں دیتے، جو مال چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے (بیت المال میں جائے) حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی اولاد اپنا خرچہ اس مال سے لیتی رہے انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس پر کچھ بڑھا لیں اور میں بخدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احوال پر اس عمل سے کچھ بھی تبدیل نہ کروں گا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دور میں تھا اور میں اس پر عمل کروں گا جو (اس میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔

اس پر پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کلمہ شہادت پڑھا اور اس بات کی گواہی دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسا ہی ہوتا تھا اور آپ نے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا:

انا قد عرفنا یا ابابکر فضیلتك

بیشک ہم آپ کی فضیلت کو (جو آپ کو اس امت میں ہے) پہچانتے ہیں۔"

اور صرف یہی نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی اس قرابت کا بھی ذکر کیا جو آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اور آپ کے اس حق کو بھی تسلیم کیا اور بعض روایات میں ہے کہ اس اثنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو دکھائی دیئے اور آپ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لقرابۃ رسول اللہ ﷺ احب الی من ان اصل من قرابتی

(صحیح بخاری جلد ۱، ص ۵۲۶)

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت مجھے اپنے اہل قرابت سے زیادہ محبوب ہیں۔

اس پس منظر میں کوئی سنجیدہ شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو اپنے سے ناراض کیا ہو چہ جائیکہ آپ نے خود ارادہ کیا ہو کہ آپ انہیں قصداً ناراض کریں جیسا کہ لفظ اغضاب کا تقاضا ہے۔

یہ لفظ جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کسی طرح صادق نہیں آتا یہ حضرت علی پر بھی کسی طرح درست نہیں اترتا۔ جنہوں نے ابوجہل کی بیٹی سے (جو اسلام لائے ہوئے تھی) نکاح کرنا چاہا اور اس پر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا ان سے ناراض ہوئیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا پتہ چلا تو آپ نے اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دیا پھر بھی اگر وہ آپ سے ناراض رہی ہوں تو اسے ایک بشری تقاضے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا جا سکتا اور کسی پہلو سے بھی حدیث اغضاب کا کوئی چھینٹا حضرت علی مرتضیٰ پر نہیں آتا۔

اس پر ہم حدیث اغضاب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بحث ختم کرتے ہیں۔ ناراضگی ایک فعل قلب ہے جس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو پاتا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کبھی اپنی زبان مبارک سے اس کا اظہار نہ فرمایا اور جس کسی نے کہا اپنے خیال سے کہا اور ظاہر ہے کہ خیال سے کوئی بات عقیدہ نہیں بنتی۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

# (٦) حدیث عالمی غلبہ رسالت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ.. اَمَّا بَعْدُ!

آنحضرت ﷺ نے اپنے عالمی غلبہ رسالت کی اس طرح خبر دی ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے اسے اس طرح روایت کرتے ہیں:

ان اللہ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا و مغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا واعطیت الکنزین الاحمر والابیض (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۳۹۰)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ساری زمین لپیٹ کر رکھ دی میں نے اس کے سارے مشرقوں اور مغربوں کو تہہ ہوا دیکھا اور میری امت کا قبضہ ان سب پر ہوگا جو میرے سامنے جمع کیے گئے اور میں اس کے سونا اور چاندی دونوں خزانے دیا گیا۔

یہ دونوں خزانے قیصر و کسریٰ کے ہیں۔ زمین کے مشرق و مغرب اس کے شمال و جنوب کے مقابل آپ کو زیادہ دور تک پھیلے دکھائے گئے اور بتایا گیا کہ آپ کی امت ان سب تک پہنچے گی اس حدیث میں آپ کے عالمی غلبہ رسالت کی خبر دی گئی ہے۔

شارح صحیح مسلم امام محی الدین النووی (٦٧٦ھ) اس حدیث پر لکھتے ہیں:

ھٰذا الحدیث فیہ معجزات ظاھرۃ وقد وقعت کلھا بحمد اللہ کما أخبر بہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ وصلوات اللہ وسلامہ علی رسولہ الصادق الذی لاینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۳۹۰)

ترجمہ: اس حدیث میں آپ کے (حضور ﷺ کے) کھلے معجزات کا ذکر ہے۔ جو بحمد اللہ سب کے سب اس طرح پورے ہوئے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو جو اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ سوائے اس کے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ جو کہتے آپ وہی کہتے۔

اس حدیث کو سمجھنے میں یہ امور زیادہ قابل غور ہیں:

۱۔ لشکر کا قبضہ بادشاہ کا قبضہ ہی ہوتا ہے حضور ﷺ کی امت کا ان مشارق و مغارب پر قبضہ پانا اور اس کا وہاں تک جانا حضور ﷺ کے عالمی قبضہ کے ہی نقوش ہیں۔ اس سے

صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ تمام فاتحین عجم حضور ﷺ کے ہی خلفاء تھے کہ ان کا وہاں تک جانا حضور ﷺ کا ہی عالمی قبضہ سمجھا گیا اگر ان کی خلافت خلافت صادقہ نہ ہوتی تو یہ ان کی فتوحات حضور ﷺ کی فتوحات شمار نہ کی جاتیں اس کی تصدیق قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (پ۲۶، الفتح ۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر تاکہ اوپر رکھے اس کو ہر دین پر۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ سے اس عالمی غلبہ کا وعدہ اس صورت میں پورا ہونا سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کی امت کے یہ فاتحین عجم پورے دل کے خلوص سے آپ کی امت ہوں جن پر نفاق کا کسی پہلو سے کوئی شبہ نہ کیا جا سکتا ہو ان مخلصین کے اخلاص کا پتہ اس سے اگلی آیت میں اس طرح دیا گیا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (پ۲۶، الفتح ۲۹)

ترجمہ: حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر۔ نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی۔

دو علامات ان کے ظاہر کی بتلائی گئیں اور دو میں ان کے اندر کے حالات کی خبر دی گئی جن میں اشارہ تک نہیں ہو سکتا کہ ان کا ظاہر اور باطن ایک نہ ہو کہ ان کا ظاہر تو اشداء اور رحماء کا ہو اور اندر سے انہیں فضل الٰہی اور رضوان الٰہی کی طلب نہ ہو۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عہد رسالت میں جو لوگ حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لاتے تھے اور ان کا ظاہر عمل اسلام ہی تھا یعنی ظاہری پیرائے میں جھک جانا مگر جب اللہ تعالیٰ انہیں یاأیها الذین امنوا سے خطاب کرتے تو اس سے ان کے اسلام کی اندرونی تصدیق ہو جاتی تھی۔ یہ پیرایہ تصدیق ایمان صحابہ قرآن پاک میں صرف ایک دو جگہ نہیں سینکڑوں جگہ پر ہے اور جہاں یہ اندرونی تصدیق نہ تھی وہاں صاف کہہ دیا گیا:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پ۲۶، الحجرات ۱۴)

ترجمہ: کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ کہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو کہ ہم مسلمان ہوئے اور ابھی تک نہیں گھسا ایمان تمہارے دلوں میں۔ اور اگر تم حکم پر چلو گے اللہ کے اور اس کے رسول کے کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ۔

یہ سورت مدنی ہے۔ یہ اس وقت اتری جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے اور مدینہ میں مسلمان اس وقت ایک بڑی تعداد میں تھے ان دنوں مدینہ کے بدو کون لوگ تھے جو بطور گنوار اس آیت میں مذکور ہوئے یہ وہ دیہاتی تھے جنہیں گھر بیٹھے بٹھائے بغیر کسی محنت کے کلمہ پڑھنا مل گیا اور ابھی ایمان اپنی پوری شان میں ان کے دلوں میں نہ بسا تھا انہیں کہا گیا تم نے مسلمان ہو کر اپنے آپ کو مسلمانوں کی پکڑ سے بچا لیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ابھی ایمان ان کے دلوں میں نہ بسا تھا لیکن ان کے دلوں میں اصل کلمہ اسلام کا انکار بھی تو نہ تھا ایسا ہوتا تو انہیں منافقوں میں شمار کیا جاتا انہیں مسلمان ہونے کا حق نہ دیا جاتا۔ یہ صورت حال فقط ایک دفعہ ہی واقعہ ہوئی اور عام اسلام لانے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یاایھا الذین امنوا سے اپنے ایمان کی تصدیق پاتے رہے سو حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والے وہ خوش نصیب تھے جن کے ایمان کی خود اللہ تعالیٰ نے تصدیق کی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ مبارک خطاب اس وقت کے تمام مسلمانوں کے ایمان کی ایک آسمانی تصدیق ہے۔ سو ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

سورہ حجرات کی مندرجہ بالا آیت میں ان گنواروں کے اعمال کی قبولیت کا بھی اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ قبولیت انہی کو ملتی ہے جن کے اندر کسی پہلو سے کلمہ اسلام کا انکار نہ ہو۔

## حضور ﷺ کا عالمی غلبہ رسالت کس طرح پوری دنیا میں وسیع ہوتا رہا

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتح کردہ ممالک کو حضور ﷺ کے عالمی غلبہ رسالت میں پھیلتے دکھایا وہاں وہ فتوحات جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر کمانڈ مسلمانوں کو حاصل ہوئیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے عالمی غلبہ رسالت میں پھیلتے ہی دکھایا ہے۔ کسے معلوم نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں شاہانہ شان میں رہتے تھے۔ دروازے پر دربان بھی ہوتا تھا ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سی سادگی نہ تھی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ شام سے عیسائی سلطنت قریب تھی اور مدینہ سے وہ ایک لمبے فاصلہ پر تھی اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ شاہانہ شان کے امتی بھی حضور ﷺ کو اپنے اس عالمی غلبہ رسالت کے سائے میں آگے بڑھتے دکھائے گئے۔

آپ ایک دفعہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی ام حرام رضی اللہ عنہا بنت ملحان کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی، جب آپ کی آنکھ کھلی تو آپ پر ایک خوشی طاری تھی آپ سے ام حرام بنت ملحان نے اس مسکراہٹ کی وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قال ناس من امتی عرضوا علی غزاۃ فی سبیل اللہ یر کبون ثبج ھٰذا البحر ملوکاً علی الاسرۃ او مثل الملوک علی الاسرۃ

(باب افضل الناس مومن مجاھد بنفسہ ومالہ) (صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۹۱)

ترجمہ: میری امت کے کچھ لوگ مجھے خواب میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے دکھائے گئے وہ اس سمندر میں کشتیوں میں بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہیں جیسے بادشاہ تختوں پر بیٹھے ہوں۔

اور باب غزوۃ المرأۃ فی البحر میں ہے:

قال ناس من امتی یر کبون البحر الاخضر فی سبیل اللہ مثلھم مثل الملوک علی الاسرۃ (جلد ۱، ص ۴۰۳)

ترجمہ: میری امت کے کچھ لوگ بحر اخضر میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے جا رہے ہیں۔ وہ ایسے لگتے ہیں جیسے بادشاہ تختوں پر بیٹھے ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بادشاہوں کے طریقہ پر رہنے والے امتی بھی آپ کو اپنے اس عالمی غلبہ رسالت میں دکھائے گئے سو اس سے یہ حقیقت عالمی سطح پر عیاں ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی کامیاب رسالت کی خبر پہلے سے دے دی گئی تھی کہ آپ کی امت کی فتوحات سب آپ کے کھاتے میں ہی جائیں گی لشکر کتنے ہی کیوں نہ ہوں ان کی فتح بادشاہ کی فتح ہی شمار ہوتی ہے۔

## حضور ﷺ کو اپنے مشن میں ناکام سمجھنے والے؟

یہ وہ نازک موضوع ہے کہ اس پر غور کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ اثنا عشری شیعوں نے حضور ﷺ کے سفر آخرت کا جو نقشہ اپنے ہاں کھینچ رکھا ہے۔ وہ کھلے لفظوں میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) دنیا میں اپنے مشن رسالت میں ناکام رہے۔ عام مسلمانوں نے اپنے حلقوں میں یہ باتیں شیعوں سے عام سنی ہوں گی۔ علامہ خمینی سے لے کر علامہ کلینی تک سب ایک ہی بحر ظلمات سے بولتے اور ذکر اہل بیت کرتے سنے جاتے ہیں مثلاً:

۱۔ حضور ﷺ اپنے آخری دور علالت میں اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو اپنی مسجد میں امام بنانا چاہتے تھے مگر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی بات چلنے نہ دی اور اپنے باپ کو مسجد نبوی میں امام کھڑا کر دیا۔

۲۔ آپ نے اپنے بستر علالت پر وصیت لکھانے کے لیے کاغذ اور قلم مانگا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوسائٹی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اتنا رعب تھا کہ آپ کو کاغذ اور قلم نہ دیا گیا اور حضور ﷺ نے بھی اس کے بعد باوجودیکہ کئی دن اپنے بستر پر رہے پھر کاغذ اور قلم کا کوئی سوال نہ کیا۔

۳۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو آپ کے خاندان کے سپرد کر کے انصار صحابہ خلافت قائم کرنے لگ گئے (معاذ اللہ) آپ ﷺ کے جنازہ تک کی پرواہ نہ کی گئی۔ استغفر اللہ العظیم

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جو لوگ بھی تعزیت کے لیے جمع ہوتے رہے تھے انہیں وہاں آنے سے سختی سے روک دیا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں آگ لگانے تک کی دھمکی دی۔ استغفر اللہ العظیم

۵۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب خلیفہ اول سے اپنے والد کی میراث لینے گئیں تو انہیں فدک کی زمین نہ دی گئی۔

۶۔ قرآن کریم میں حضور ﷺ کو اپنے مشن میں چار ذمہ داریاں دی گئی تھیں ان میں ایک ذمہ داری صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں پر تزکیہ کی محنت کی تھی۔ شیعہ نادان سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے دن رات ملنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کا تزکیہ بھی نہ کر پائے۔ انہیں قرآن پہنچانے کی ذمہ داری بھی صحیح ادا نہ کی جو قرآن جمع کیا گیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن سے مختلف ہے تو امت تک صحیح قرآن نہ پہنچا۔ کیا یہ عام امت کی اصل قرآن سے محرومی نہیں؟ یہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کی اپنے مشن میں ناکامی سمجھی جائے گی کہ آپ وہ کام نہ کر پائے جو آپ کے مقاصد بعثت تھے۔

شیعہ ذاکرین اور مجتہدین اپنی مختلف اداؤں سے حضور کو اپنے مشن میں ناکام بتلاتے ہیں لیکن اپنی بارہ سو سالہ تاریخ میں انہوں نے اپنے اس موقف کا کبھی کھل کر کبھی اظہار نہیں کیا۔ وہ اپنے اس موقف کو ہمیشہ چھپا کر رکھتے ہیں۔ اس صورت عمل میں یہ ذمہ داری علمائے حق کی ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمی سطح کی کامیاب رسالت کو جتنا بھی ہو سکے۔ عامہ مسلمین کے سامنے لائیں اور انہیں سمجھائیں کہ شیعہ اثنا عشری صرف صحابہ و اہل بیت کے خلاف نہیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے مشن میں ناکام سمجھتے ہیں۔

## حضور ﷺ کی عالمی سطح پر کامیاب رسالت:

قرآن کریم کی کل ۱۱۴ سورتیں ہیں ان میں آخری ۱۱۴ نمبر کی سورت ہے۔ وہ یہ ہے:

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝
(پ ۳۰، النصر)

ترجمہ: جب آئے اللہ کی مدد اور مکہ فتح ہو جائے اور آپ لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں آتا دیکھیں تو اب آپ تسبیح و تحمید میں لگ جائیں۔

اس کا نام ہی سورہ نصر ہے اور یہ خدا کی طرف سے حضور کی رسالت کی آسمانی نصرت کا اظہار ہے۔ کیا

یہ حضور کی اپنے مشن میں کامیابی پر مہر نہیں ہے؟ اس سے پہلے پ ۲۶ میں بھی حضور کو فتح مبین کی خبر دی گئی۔ قرآن کریم کے ان دو حوالوں کی روشنی میں اثنا عشریوں کی یہ بات کیسے تسلیم کی جا سکتی ہے کہ حضور ﷺ اپنے مشن میں (معاذ اللہ) ناکام رہے۔

سورہ نصر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو الٰہی نصرت کا وعدہ کیا گیا یہ وہ نصرت نہیں جو آخرت میں ہو اس میں فوجی نصرت کا بیان ہے۔ یَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا اور حضور ﷺ کو صاف لفظوں میں کہہ دیا گیا کہ اپنی اس کامیابی کو آپ انہی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا اور تو دیکھے گا لوگوں کو داخل ہوتے دین میں فوج در فوج۔

جب آپ کی رسالت اپنے اس نقطہ کامیابی پر پہنچے۔ پھر آپ بیشک تسبیحات میں لگیں، اسباب کی دنیا میں آپ اپنے تمام معرکوں میں پورے کامیاب ہو چکے۔ لیکن روافض کا عقیدہ کہ آپ ﷺ اپنے مشن میں (معاذ اللہ) ناکام رہے یہ عقیدہ قطعاً صحیح نہیں۔

کر سکتی ہے بے معرکہ زندگی کی تلافی
اے پیر حرم تیری مناجات سحر کیا

# رسالت محمدی کی آسمانی نصرت کا بار بار اظہار
## آیت تبلیغ میں واللہ یعصمک من الناس کی ضمانت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ.. اَمَّا بَعْدُ!

اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کی ہدایت کے لیے نبوت و رسالت کا نظام قائم کیا اور پیغمبر اپنے اپنے دور میں اس کی پیغام رسانی کرتے رہے جب سب پیغمبر ہو چکے تو آخر میں مکہ میں آخری پیغمبر اپنی پوری آفاقی شان سے جلوہ گر ہوا۔ مکہ کی غار حرا میں حضرت جبریل آپ کے سامنے آئے اور آپ کے سینہ میں عالم بالا کی تجلیات اتار دیں۔ آپ پہلے تو صرف مکہ اور اس کے مضافات میں اللہ تعالیٰ کی پیغام رسانی کرتے رہے لیکن بعد میں آپ کو پورے کرہ زمین کے پورے مشرق و مغرب میں آپ کی رسالت کی پھیلی چمک دکھا دی گئی۔ یہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی آفاقی نبوت کا اشارہ تھا۔ آپ حضور ﷺ کے عالمی غلبہ رسالت کی یہ حدیث پہلے پڑھ آئے ہیں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا ومغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا مازوی لی منھا واعطیت الکنزین الاحمر والابیض (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۳۹۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو لپیٹ دیا میں نے اس کے تمام مشرقوں اور مغربوں کو تہ ہوا دیکھا اور فرمایا میری امت وہاں تک قبضہ زمین پائے گی جتنا مجھے اس میں دکھا دیا گیا۔

پھر اور مواقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کے اس بین الاقوامی غلبے کی اس طرح بشارت دی کہ یہ آخری پیغمبر تمام ادیان عالم اور نظریات حیات پر غالب آئے گا۔ یہ آپ کے عالمی غلبہ رسالت کی پہلی آسمانی شہادت ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○ (پ ۱۰، التوبہ ۳۳)

ترجمہ: اس نے بھیجا اپنے رسول کو صداقت اور سچا دین دے کر تا کہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور پڑے برا سمجھیں اسے اہل شرک۔

فتح مکہ تک حضور ﷺ کی دعوت اسلام توحید باری تعالیٰ اور وحدت امت سے چمکتی رہی اور اس کا مرکز مدینہ منورہ کی سلطنت اسلامی تھی۔ مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی آسمانی نصرت کے بارہا جلوے دکھائے۔

وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ (پ ۲، آل عمران: ۱۲۴)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے بیشک تمہاری مدد کی مقام بدر میں (فرشتے بھیج کر) اور تم اس وقت (اپنی عسکری قوت میں) کمزور تھے۔

اس جنگ میں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی آسمانی نصرت کو فرشتوں کے اترنے میں دیکھا وہ صحابہ کرام جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شان صحابیت سے نوازنا تھا وہ اس دن مشرکین مکہ کے ساتھ بدر کی جنگ میں لڑتے دکھائے ہی نہ گئے اور مسلمان یہ جنگ جیت گئے جنگ احد میں بھی جب کہ مسلمان درہ چھوڑنے کی غلطی کر چکے تھے۔ پھر سے مسلمانوں نے اپنی شکست کو فتح سے بدلتے دیکھا پھر جنگ خندق میں حضور ﷺ نے ایک سخت چٹان پر ضرب لگاتے بڑی بڑی سلطنتوں میں اپنی کامیاب رسالت کی چمک دیکھی اور اسے کھلے طور پر بیان فرمایا اس پر مشرکین جس پیرائے میں مہاجرین پر آواز کستے تھے ان کے لکھنے سے قلم لرزتا ہے۔

پھر آپ کے اس آفاقی غلبے کی خبر آپ ﷺ کو پ ۲۶ سورۃ الصف آیت ۹ میں بھی دی گئی اور ان تمام قومی مراحل میں کہیں آپ ﷺ کو کوئی کمزوری محسوس کرتے نہیں دیکھا گیا۔

یہ صحیح ہے کہ پندرہ سو مسلمان جو مدینہ سے بعزم عمرہ مکہ کی طرف احرام باندھ کر نکلے تھے اور وہ اس سال عمرہ نہ کر سکے تھے۔ یہ بظاہر مسلمانوں کی ایک مہم میں ناکامی تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان پندرہ سو صحابہ میں مہاجرین تقریباً چوتھائی کے قریب تھے لیکن کیا مسلمانوں نے بغیر عمرہ کیے واپسی میں کسی ایک مدنی صحابی کی پیشانی پر بھی کسی پریشانی کا بل پڑا دیکھا؟ نہیں! تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ فتح مکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کے دو اور آسمانی جلوے مسلمانوں کو دکھائے۔ ایک اگلے سال صحابہ کرام کا کعبہ میں داخلہ ہونا اور دوسرا جنگ خیبر، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کھلے آسمانی جلوے سے نوازا اور یہود مدینہ سے نکلنے میں ہی مجبور پائے گئے۔

اس وقت قیصر و کسریٰ کی دو بڑی سلطنتیں تھیں کسریٰ کا پایہ تخت ایران تھا اور قیصر کا شام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ دونوں ختم ہوئیں۔ کسریٰ کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوا نہ قیصر کے بعد شام میں کوئی اس کا جانشین ہوا۔ ساتویں صدی کے محدث امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واما قیصر فانھزم من الشام ودخل اقاصی بلادہ فافتتح المسلمون بلادھما واستقرت للمسلمین وللہ الحمد انفق المسلمون کنوزھما فی سبیل اللہ کما اخبر صلی اللہ علیہ وسلم وھذہ معجزات ظاھرۃ

(شرح صحیح مسلم جلد ۲، ص۳۹۶)

ترجمہ: رہا قیصر تو اس نے شام میں شکست کھائی اور اپنے دور کی کسی دور کی سرحد میں جا بسا اور مسلمانوں نے ان دونوں (کسریٰ اور قیصر) کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جیسا کہ اس کی حضور ﷺ نے پہلے سے خبر دی تھی تو یہ حضور ﷺ کی آسمانی نصرت آپ کے معجزات میں سے ہے۔

وھذا الحدیث فیہ معجزات ظاھرۃ وقد وقعت کلھا بحمد اللہ کما أخبر بہ صلی اللہ علیہ وسلم (شرح مسلم جلد ۲، ص۳۹۶)

پھر یہی نہیں۔ فتح مکہ کے بعد مسلمان حنین کی جنگ میں بری طرح گھر گئے تھے۔ پھر ان میں کون تھا جس کا عالی حوصلہ اس وقت بارہ ہزار مسلمانوں کو آسمانی نصرت کی بشارت دے رہا تھا؟ یہ وہی تھا جو اس سے بہت پہلے مکہ میں مشرکین کی تینوں تجویزوں کو ناکام کر کے مکہ سے نکلنے میں پوری طرح کامیاب رہا تھا۔

## مشرکین مکہ کی آپ پر قابو پانے کی تین تجویزات

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ؕ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ (پ۹، الانفال:۳۰)

ترجمہ: اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید میں ڈال دیں یا مار ڈالیں یا مکہ سے جلاوطن کر دیں اور وہ داؤ کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤ کر رہا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔

آپ ایک مکان میں تھے کہ مشرکین نے ایک رات اس مکان کو پوری طرح اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اس رات حضرت علی المرتضیٰ آپ کے بستر میں فروکش تھے۔ اس لیے کہ وہ آپ کی بجائے شہید ہوں لیکن حضور ﷺ اس طرح اللہ کی حفاظت میں ان کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے اس مکان سے نکلے کہ وہ آپ کو دیکھ نہ پائے۔ کیا یہ آپ کی رسالت کی آسمانی نصرت نہ تھی؟ پھر کیا کسی کو بھی پتہ چلا کہ آپ اس وقت حضرت ابوبکر کے گھر چلے گئے ہیں؟ اور ان کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آپ کے لیے توشہ دان باندھ رہی ہے اور آئندہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس بیٹی کا تعارف اس رات حضور ﷺ کے سفر ہجرت سے آفاقی شہرت پا لے گا

اور انہیں اسماء ﷺ ذات النطاقین کہا جایا کرے گا اور پھر آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لیے رات کی تاریکی میں مکہ سے نکلنے میں پوری طرح کامیاب ہوگئے۔

## پھر ذرا جنگ حنین کا بھی حل دیکھئے:

حضور ﷺ کا بارہ ہزار کے اتنے بڑے ہجوم پر اتنا کنٹرول تھا کہ وہ سب آپ کے اشارہ چشم کے منتظر رہے اور جب وقت آتا انہیں اپنی جانیں دینے سے کبھی کوئی دریغ نہ ہوتا تھا اب جب یہ بارہ ہزار مقام حنین میں جمع تھے اور یہیں بنو ثقیف اور بنو ہوازن مسلمانوں پر حملہ کرنے والے تھے تو کچھ مسلمانوں کو اس دن اپنی بڑی تعداد سے دھوکہ ہوگیا کہ اب انہیں کسی طرح شکست نہ ہو سکے گی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس گمان سے نکالنے کے لیے قرآن کریم میں یوم حنین کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ○ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ○ (پ ۱۰، التوبہ ۲۶)

ترجمہ: اور بیشک اللہ مدد کر چکا ہے تمہاری بہت میدانوں میں اور حنین کے دن جب تمہیں تمہاری اپنی کثرت بہت اچھی لگ رہی تھی پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے۔ اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاری فوجیں کہ جن کو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے منکروں کی۔

پچھلی آیت کے ربط سے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جنگ حنین کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے:

حضور ﷺ پر یہ غیر معمولی نصرت آسمانی کتنے وقت میں اتری؟ اور مکہ سے رات کی تنہائی میں نکلنے والا ایک یتیم کتنے وقت میں یہ عظیم انقلاب لے آیا؟ ہجرت پر ابھی پانچ سال بھی نہ گزرے تھے کہ آپ ﷺ تین جنگوں کے فاتح ہو کر چھٹے سال پندرہ سولہ سو مسلمانوں کے کہنے پر عمرہ کا احرام باندھے عازم مکہ ہوئے اور رستے میں کوئی طاقت انہیں مکہ کے قریب پہنچنے سے روک نہ سکی پھر مکہ بھی بغیر جنگ لڑے فتح ہو گیا اور جنگ خیبر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانی نصرت اس شان سے جلوہ گر ہوئی کہ یہودیوں کو وہاں

سے نہایت بے آبرو ہو کر نکلنا پڑا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت خود ایک آسمانی نشان بن گئی۔

قارئین کرام! قرآن کریم میں خود اس آیت کو سورہ المائدہ ۶۷ سے دیکھیں اس سے اوپر بھی تورات اور انجیل کا ذکر ہے اور اس کے بعد بھی انہیں کا ذکر ہے۔ سو یہ ضمانت آپ کو انہی سے بچانے کے لیے تھی۔ مسلمانوں کے کسی گروہ سے بچانے کے لیے نہیں نہ اس کا حدیث ولایت سے کوئی تعلق ہے کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہو؟

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

مسلمانوں کی ان تمام مہمات اور عظیم لشکروں میں سب سے زیادہ باہمت اور حوصلہ مند کون نظر آتا رہا ہے؟ وہی شخصیت کریمہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مدتوں پہلے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی ضمانت دے رکھی تھی کہ کافروں کے ناپاک ہاتھ کبھی آپ تک نہ پہنچ پائیں گے۔ ان سے ڈرنے کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضور ﷺ کے مخالفین میں مشرکین مکہ مجوس ایران اور منکرین آخرت سب چھوٹی طاقتیں تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ طاقتور اہل کتاب تھے۔ حضور ﷺ کو ان سے بچائے رکھنے کے لیے آپ ﷺ کو قرآن پاک کی سورہ المائدہ آیت ۶۷ میں يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ تک آپ ﷺ کو کامیاب پیغام رسانی کی بشارت دے دی گئی تھی۔ ما انزل الیک میں پوری تیئیس ۲۳ سالہ وحی کا پہنچانا مراد ہے اس کا غدیر خم سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں۔

اس پس منظر میں ہم حالات کا کچھ اس طرح تجزیہ کرتے ہیں:

فتح مکہ میں حضور ﷺ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ داخل ہوئے تھے انہیں اس طرح دیکھ کر مکہ والوں سے اور دو ہزار ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان کو طلقاء کہا جاتا ہے۔ اب یہ بارہ ہزار کا لشکر جرار تھا اور مکہ بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا تھا اس میں مکہ کی بھی عزت و آبرو رہی اور ان بارہ ہزار مسلمانوں کی بھی۔ کیا یہ حضور ﷺ کی آسمانی نصرت کا ایک روشن جلوہ نہ تھا کہ ایک یتیم رات کی تنہائی میں مکہ سے نکلنے والا کس طرح آٹھ سال کے قلیل عرصہ میں مکہ اور مدینہ کا تاجدار ہو گیا۔

اس عظیم آسمانی غلبے کے باوجود مکہ کے مہاجرین اپنے گھروں میں نہیں جا بیٹھے وہ حضور ﷺ کا ہی لشکر تھا اور وہ آپ کے ہی حکم کے منتظر تھے آپ نے ان سب کو طائف کی طرف نکلنے کا اشارہ کیا۔

فتح مکہ قریش مکہ کی ہی شکست سمجھی گئی اور اب پورا عرب اٹھا ثقیف اور ہوازن کے تیر انداز پورے عرب میں تیر اندازی میں نام رکھتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو للکارا۔ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ یہی تمہاری درگت ہو اس سے پہلے ہی تم اس دین برحق کو قبول کرلو تو انہوں نے جواب دیا: چند قریشیوں پر جو لڑائی کے فنون میں بے بہرہ ہیں۔ فتح مندی حاصل کر کے کہیں تم مغرور نہ ہو جانا ہم سے اگر پالا پڑا تو ہم تمہیں معلوم کرا دیں گے کہ لڑائی کسے کہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر اردو پارہ چھٹا ص ۱۱۱)

یہی ثقیف اور ہوازن نے جو فتح مکہ کا بدلہ لینے کے لیے پورے عرب کو مسلمانوں کے خلاف ابھار کر میدان میں لے آئے تھے۔ حضور ﷺ نے اس حکمت سے اپنے ساتھ کے دس ہزار مسلمانوں کو جواب بارہ ہزار ہو گئے تھے واپس اپنے گھروں میں جانے کا نہ کہا تھا۔ یہ سیاست آپ نے کسی جنگجو قوم سے نہ سیکھی تھی یہ سب تدبیریں اور راہیں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھا دی جاتیں اور انہی سے آپ کا آسمانی غلبہ قائم ہوا اور یہ اس آسمانی غلبے کا حصہ تھا کہ آپ کے سیاسی جانشین اسی ایک عالمی غلبہ میں دنیا کے مشارق و مغارب تک پہنچے۔

# حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی اسی قوتِ یقین سے آگے بڑھے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر ہجرت میں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیا وہ بھی اس لیے کہ آپ ﷺ کا یہ سفر ہجرت آپ ﷺ کے عالمی غلبہ اسلام کا قاعدہ بنیاد تھا جس پر آئندہ آپ کے مشن کی پوری عمارت قائم ہوگی۔

ایک عرب دانشور جناب عبدالبدیع صفر نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلافت پر آنے پر آپ کی قوت یقین کا بھی وہی نقشہ کھینچا ہے جو آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سیاسی وراثت میں پایا تھا۔ جناب عبدالبدیع صفر نے الوصایا الخالدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ خطوط نقل فرمائے ہیں جو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے فوجی جرنیلوں کے نام لکھے۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھی جو اس وقت یمامہ میں تھے۔ ایک نہایت پر مغز خط لکھا جسے سمجھنے کے لیے ان حالات کے جاننے کی ضرورت ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلافت پر آتے ہی سلطنت اسلامی میں پیدا ہو گئے تھے ہم یہاں ایک نہایت مختصر پیرائے میں انہیں بھی ذکر کیے دیتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنتے ہی کچھ لوگوں نے حکومت کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا کچھ ایسے مدعیان نبوت نے بھی سر اٹھایا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانتے ہوئے اپنے لیے ماتحت نبوتوں کے دعویدار ہوئے۔ ان میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ سب سے بڑا تھا۔ اسے فرو کرنے کے لیے آپ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یمامہ بھیجا۔ حضرت ابوبکر کی سیاسی پالیسی یہ تھی کہ ان اندرونی سازشوں کے فرو کرنے میں ہی نہ لگے رہیں۔ عالمی سطح پر یہ تاثر دیں کہ ہم اطراف عالم میں بھی بڑھیں گے اور آپ نے ہر طرف کچھ مہمات روانہ کر دیں جن سے اقوام عالم میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ مسلمان اپنی فوجی قوت میں بہت مضبوط ہیں وہ ویسے ہی ڈر گئے کہ یہ تو ہر طرف فوجیں بھیج رہے ہیں۔

آپ نے عراق کی طرف جو مہم بھیجی اس کے سالار مثنیٰ بن حارثہ الشیبانی تھے آپ نے وہاں اسلامی قواعد کے مطابق نواحی بستیوں پر بھی حملے کیے یہ مہمات طویل ہوتی گئیں۔ مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے بھائی مسعود کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کمک کے لیے بھیجا۔ آپ نے اس سلسلہ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو اس معرکے کے سر کرنے کے لیے بھیجا اس وقت ان حالات کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں اس وقت اس قوت

یقین پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سرشار تھے اور یہ وہی قوت یقین تھی جو آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی سیاسی وراثت میں حاصل کی تھی آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لکھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بندہ خدا ابوبکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خالد بن ولید اور ان کے ساتھی مہاجرین و انصار اور تابعین کے نام...... تم پر سلامتی ہو۔ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس کے سوا کوئی الہٰ نہیں۔ اما بعد!

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے دین کی مدد کی اپنے دوستوں کو تقویت بخشی اپنے دشمنوں کو ذلیل کیا اور تنہا تمام مخالف اسلام قوتوں پر غالب کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (پ ۱۸، النور ۵۵)

ترجمہ: اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ ان کو اس طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

اللہ کا یہ وعدہ تھا جس کی کبھی خلاف ورزی نہ ہوئی اور یہ وہ ارشاد خداوندی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور یہ کہ جہاد مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۲۱۶)

ترجمہ: تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو وعدے تم نے کیے ہیں انہیں پورا کرو، اور جو فرائض

اس نے تم پر عائد کیے ہیں انہیں بجالاؤ۔ خواہ ان کی انجام دہی میں تمہیں کتنی ہی بڑی تکلیف، محنت ومشقت اور مصیبت اٹھانی پڑے، کیونکہ یہ مشقتیں خدا کے یہاں ملنے والے ثواب عظیم کی بہ نسبت بڑی معمولی ہیں۔ اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی مبارک زبان صداقت کے گوہر بکھیرتی تھی، ہمیں بتا چکے ہیں کہ قیامت کے روز جب شہداء میدان حشر میں لائے جائیں گے تو وہ تلواریں بلند کیے ہوئے ہوں گے۔ وہ جو چاہیں گے پائیں گے۔ ان کی تمام آرزوئیں پوری کردی جائیں گی اور انہیں ایسی ایسی نعمتیں دی جائیں گی جن کا ان کے دل میں خیال تک نہ آیا ہوگا، جنت میں داخل ہونے کے بعد شہید کی تمنا یہ ہوگی کہ اسے دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ وہ پھر شہید ہوکر اس عظیم اجر وثواب کا مستحق بنے جو اللہ کے ہاں شہادت پانے والوں کے لیے مقرر ہے۔

اے مجاہدو!...... اللہ تم پر رحم کرے...... نکلو اللہ کی راہ میں خواہ ہلکے ہو یا بوجھل۔ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانو۔

میں نے خالد بن ولید کو عراق جانے کا حکم دیا ہے، وہ میرے حکم سے پہلے عراق سے نہیں ہٹیں گے، تم بھی ان کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔ جہاد کو گراں نہ سمجھو، راہِ جہاد میں صحیح نیت رکھنے والے کے لیے اللہ سبحانہ نے اجر عظیم رکھ دیا ہے اور اس شخص کے لیے بھی اجر عظیم ہے جو بھلائی کے کاموں میں دلی رغبت رکھے۔ جب تم عراق پہنچ جاؤ تو میری طرف سے آئندہ ہدایات آنے تک وہیں رہو۔ ہمیں اور تم کو اللہ کافی ہے اور ہماری دنیا و آخرت کے ہر مرحلے میں وہی ہمارا کارساز ہے والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ (الوصایا الخالدہ۔ لازوال نصیحتیں ص ۶۵)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خط میں سورہ نور کی وہی آیت لکھی ہے جسے آیت استخلاف کہتے ہیں اور اسی میں اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ ہے کہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو وہ زمین خلافت میں مل کر رہے گی جس سے وہ اپنی سلطنت چلاسکیں گے وہ ایسے امن میں ہوں گے کہ اب انہیں کسی طرف سے کوئی ڈر نہ ہوگا، ان کے سب خوف امن سے بدل جائیں گے۔

## سب ادیان اور نظریاتِ حیات پر اظہارِ دین کی آسمانی خبر

لیظھرہ علی الدین کلہ کی خبر قرآن کریم میں بڑے شان وشکوہ سے دی گئی ہے۔ سورہ التوبہ میں، سورہ الصف میں اور سورہ الفتح میں۔ ان میں آخری خبر سورہ الفتح کی ہے۔ پہلی دونوں سورتوں میں صرف اس غلبے کی بشارت دی گئی ہے تیسری میں یہ راز بھی کھول دیا گیا کہ یہ بین الاقوامی غلبہ کیسے وقوع میں آئے گا۔ یہ تینوں خبریں مدنی سورتوں میں ہیں مکی سورتوں میں کوئی ایسی خبر نہیں ملتی۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (پ ۷، الانعام ۹۲)

ترجمہ: اور یہ قرآن کتاب ہے جو کہ ہم نے اتاری برکت والی تصدیق کرنے والی ان کی جو اس سے پہلی ہیں اور تا کہ تو ڈرائے مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو۔

اس آیت کے پہلے حصہ میں پہلی کتابوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ کتاب قرآن ان کی تصدیق کرنے والی ہے اور پھر حضور ﷺ کی رسالت کا مقصد مکہ اور اس کے اردگرد والوں کو خدائی مواخذہ سے بچانا بتلایا گیا اور اگر دیکھا جائے تو مکہ مکرمہ کے لیے لفظ ''ام القریٰ'' لاکر آپکے آفاقی دائرہ دعوت کی بھی خبر دے دی گئی۔ ام القریٰ کا معنیٰ ہے تمام بستیوں کی ماں اور اس میں اشارہ ہے یہ جگہ جملہ اکناف عالم اور تمام اطراف ارضی کا مرکز ہے یہاں سے اٹھی دعوت پورے آفاق میں پھیلے گی۔ اسے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بھی بیان کیا گیا:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (پ ۲۵، فصلت ۵۳)

ترجمہ: اب ہم دکھلائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں

تاہم اس میں شک نہیں کہ تین مدنی سورتوں میں سورہ التوبہ سورہ الصف اور سورہ الفتح میں نہایت کھلے اور واضح الفاظ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ادیانِ عالم اور نظریاتِ حیات پر غالب آنے کی صریح خبر دی گئی۔ ان تینوں میں آخری سورت الفتح ہے۔ سورۃ الصف کی آیت مدنی سورتوں میں آیت نمبر ۱۰۹ ہے اور سورۃ الفتح کی آیت مدنی آیات میں نمبر ۱۱۱ ہے۔ صرف دو نمبروں کا فاصلہ ہے۔ اس آخری آیت میں یہ بات بھی کھول دی گئی کہ حضور ﷺ کا یہ بین الاقوامی غلبہ کیسے وجود میں آئے گا۔

اس زمانے کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے اس بین الاقوامی غلبہ کی اساس آپ کے صحابہ کا یہ یقین تھا کہ دولت، فوجی قوت اور اسلحہ ومیگزین سے فتح ونصرت حاصل نہیں ہوتی۔ ثابت قدمی صبر و استقلال، قوت وطمانینتِ قلب، یادِ الٰہی، خدا و رسول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت وفرمابرداری اور باہمی اتفاق واتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کو یہ یقین کیسے حاصل ہوگیا تھا۔ ... اپنی ایمانی قوت سے! حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ذکر اللہ کی تاثیر یہ ہے کہ ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ صحابہ کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہی تھا۔

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُہُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ

(پ ۱۳، الرعد ۲۸)

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں ان کے دل اللہ کے ذکر سے۔ سنتا ہے! اللہ کے ذکر ہی سے چین پاتے ہیں دل۔

## اللہ کے ذکر کی سب اعمال پر فضیلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک مقام پر مسلمین، مومنین، قانتین، صادقین، صابرین، خاشعین، متصدقین، صائمین، حافظین کا یکجا ذکر کرنے کے بعد اپنے ذکر کو ان سب اعمال سے اونچا عمل بتایا ہے۔ جو اللہ کے ہاں اس درجہ ذکر کو پا گئے وہ ان سب صفات کے حاملین مانے گئے۔

وَالذّٰکِرِیۡنَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰہُ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا

(پ ۲۲، الاحزاب ۳۵)

اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت سا اور یاد کرنے والی عورتیں، رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور ثواب بڑا۔

پھر کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جن کی برائیاں بھی نیکیوں سے بدل دی جاتی ہیں:

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ

(پ ۱۹، الفرقان ۷۰)

ترجمہ: مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کوئی کام نیک سو ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ نیکیاں۔

یہ اطمینانِ قلب اور ذکرِ الٰہی کا دل میں بس جانا ہی وہ مضبوط ہتھیار تھا جس سے صحابہ سرشار تھے اور انھی سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ادیان ونظریات پر بین الاقوامی غلبہ پایا۔

## دین آنحضور ﷺ کا تمام ادیان ونظریات پر آفاقی غلبہ اور اظہار دین

قرآن کریم میں اسلام کے اس آفاقی غلبہ اور اس کے اظہار کی تین آیتوں میں سے آخری آیت سورۃ الفتح کی ماقبل آخر آخری آیت ہے۔ آیت ۲۸ میں حضور ﷺ کی بعثت کی غایت یہی غلبہ اسلام بتلایا گیا ہے اور اس سے اگلی آیت ۲۹ میں اس کی راہ بتا دی گئی کہ یہ غلبہ کن کے ذریعہ وجود میں آئے گا اور کیسے قائم ہوگا۔

اس آخری آیت میں بتلا دیا گیا کہ یہ ان حضرات کے ذریعہ وجود میں آئے گا جو والذین معہ کی شان سے متصف ہوں گے۔ اس میں صرف معیت دیکھی جائے گی اس میں اور کوئی قید نہ لگائی جائے گی۔

حضور اکرم ﷺ ابتدائے وحی میں بھی اپنی اس معیت سے فیض رساں تھے۔ سورۃ المزمل نزول میں تیسری سورۃ ہے اس ابتدائی دور میں بھی آپ کی معیت سے سرفراز ہونے والے صحابہ کا ایک گروہ تھا۔ اس معیت میں اور کوئی قید ساتھ لگی دکھائی نہیں دیتی:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ (پ۲۹، المزمل ۲۰)

ترجمہ: بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے اور کتنے لوگ تیرے ساتھ کے (تیری معیت رکھنے والے)

اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے ایک ساتھی کی معیت سے اپنی معیت میں شامل فرمایا:

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا (پ۱۰، التوبہ ۴۰)

ترجمہ: جب نکالا تھا اس کو کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا (اثنین کا) جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے ساتھی سے تو غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یعنی اللہ ہم دو کے ساتھ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عجیب شان معیت میں تھے جس میں تیسرا خدا تھا ان اللہ معنا۔ اس میں بھی معیت کے ساتھ کوئی قید نظر نہیں آتی۔ صاحب کا معنی بھی رفیق اور ساتھی ہے جن میں ایک دوسرے کی ہمدردی اور خیر خواہی ساتھ شامل ہو۔ ہم سفر کے معنی میں خیر خواہی اس طرح نہیں ہوتی۔

اس پس منظر میں بتایا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام ادیان ونظریات پر آفاقی غلبہ ان صحابہ کے ذریعہ ہوگا جو آپ کی معیت پائے ہوئے ہیں۔ وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت مضبوط اور قوی، اپنے بھائیوں کے ہمدرد اور مہربان، ان کے ساتھ نرمی سے جھکنے والے اور تواضع سے پیش آنے والے ہیں۔ حدیبیہ میں صحابہ کی یہ دونوں شانیں چمک رہی تھیں اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔

پھر ان کی ظاہری صورت بھی اس طرح دکھلا دی کہ نمازیں پڑھتے ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے اثرات ہیں:

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ (پ26، الفتح 29)

ترجمہ: تو دیکھے انہیں رکوع وسجود میں وہ ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا، نشانی ان کی ان کے چہروں پر ہے ان کے سجدوں کے اثرات۔

ان کی ان قربانیوں اور محنتوں سے یہ دین حق اس طرح قائم ہو گیا جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی، پھر وہ پودا موٹا ہوا اور کھڑا ہو گیا اپنی نال پر، وہ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو (یعنی مسلمانوں کو) اور بغض ان صحابہ کرام سے وہی رکھتے ہیں جو کافر ہوں۔ سورۃ الفتح کے آخر میں صحابہ کے ایمان پر یہی تمثیل دی گئی ہے:

كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ

جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر، خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا۔

اس پس منظر میں یہ بات سمجھنی بہت آسان ہو جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اتنے مختصر وقت میں تمام ادیانِ عالم اور نظریاتِ حیات پر غلبہ پایا وہ صحابہ کرام کی انہیں روشن صفات اور ایمانی جذبات کی جلوہ گری تھی جن کا قرآن کریم نے یہاں ذکر کیا ہے۔ واقعی وہ ایسی صفات رکھتے تھے کہ وہ حضور ﷺ کے اس آفاقی غلبے اور اظہار دین کا سبب بنیں۔ ان کی جنگیں جیتنے کا سبب ان کے اسباب کی قوت اور اسلحہ آلات کا زور نہ تھا، ان کی قوتِ ایمانی ان کا صبر واستقلال ان کی ثابت قدمی ان کا باہمی اتفاق واتحاد اور انکی رحماء بینھم کی ہی شان وصفت کا آفاقی ظہور تھا۔ قرآن کریم میں ان کی یہ صفات اس وقت کی ہیں جب اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو یہ آفاقی غلبہ دے رہے تھے۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

قرآن کریم کی سورۃ الفتح کی ان آیات سے جب صحابہ کرام کی ان صفات کا بیان ہوتا ہے تو شیعہ ذاکر اس پر بہت بھڑکتے ہیں اور صحابہ کی جو آپس میں جنگیں ہوئیں (جیسے جنگ صفین اور جنگ جمل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما میں ہوئیں) ان کے حوالے سے کہتے ہیں کیا ان حضرات کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ آپس میں رحماء بینھم تھے۔

## الجواب بعون اللہ الملک الوہاب

ا۔ صحابہ کرام جب حضور ﷺ کی معیت میں تھے تو ان کی یہ شان ومنقبت اس وقت کی ہے اور ان کی آپس کی جنگیں جو شیعہ ذاکرین مجتہدین اس صفت رحماء بینہم کے خلاف بیان کرتے ہیں وہ اس وقت کی ہیں جب یہ حضرات کافروں کے مقابلے میں نہ تھے۔ وقت کے اس فاصلے سے ان دوصورتوں کو آپس میں متعارض نہیں کہا جاسکتا۔

در تناقض ہشت وحدت شرط داں

جب یہاں وحدتِ زماں کی شرط نہیں پائی گئی تو اس صورت میں تعارض واقع نہیں ہوتا۔

۲۔ پھر بھی کیا یہ حقیقت نہیں کہ ۴۰ ہجری میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما میں آپس میں نہ لڑنے کا جو معاہدہ ہوا اس سے جنگ صفین میں آپس میں لڑنے کا داغ کیا نہیں دھل گیا؟ پھر حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے جب اپنی سلطنت بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دی تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف پہلے کے سب شکوے اور گلے یکسر نہیں دھل گئے؟ اس سے کیا یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ رحماء بینہم کی صفت اب بھی اس گزرے ہوئے دور میں کسی نہ کسی درجے میں باقی تھی۔ العبرۃ بالخواتیم۔ اور وہ آخر ظاہر ہو کر رہی۔ قرآن کا انہیں رحماء بینہم کہنا برحق ہے۔

اصل موضوع کلام یہ تھا کہ صحابہ کے ایمان وعمل کی پختگی حضور ﷺ کے اس بین الاقوامی غلبے کا باعث ہوئی ورنہ ظاہر کے اعتبار سے حضور ﷺ کے ایسے حالات نہ تھے کہ آپ آٹھ سال کے مختصر عرصہ اور مہاجرین کی اس مختصر تعداد کے ساتھ عرب کی اتنی بڑی ایک قوت بن جاتے اور آپکے خلفائے کرام تیس سال کی مدت میں اس سیاسی شوکت پر آجاتے کہ قیصروکسریٰ کی تاریخی سلطنتیں بھی اپنی تاریخ کھو بیٹھتیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان تمام فتوحات کا سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمان وعمل کی پختگی بتائی ہے۔ ظاہر کے اسباب اور فوجی توانائی نہیں۔ آپ سورۃ الانفال کی آیت ۴۵، ۴۶ کے تحت اس دلآویز انقلاب کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

> صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہادری اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم ماننے میں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے جس صحیح راہ پر لگا دیا تھا اس پر چلنے میں اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ ان سے پہلے پہلی امتوں اور قوموں میں سے کوئی امت بھی اس مقام پر نہ پہنچی اور نہ آئندہ کوئی ایسی قوم ہو سکے گی۔ وہ اس مقام پر حضور ﷺ کی برکت اور آپ کی اطاعت سے اس طرح سرشار تھے کہ انہوں نے دلوں اور سلطنتوں پر شرقاً اور غرباً اس مختصر مدت میں اور اس قلت تعداد میں روم ہویا

فارس، ترک ہو یا صقالب، بربر ہو یا حبشی، سوڈانی ہو یا مصری سب اولادِ آدم کو اپنے قبضہ میں لے لیا، یہاں تک کہ اللہ کا کلمہ اونچا ہوا اور آپ کا دین دوسرے سب ادیان پر غالب آیا اور ممالک اسلام ۳۰ سال کے اندر شرقاً غرباً پھیل گئے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور اس نے انہیں اپنے سے راضی کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حشر میں ان کے ساتھ جمع کرے بے شک وہ تواب وکریم ہے۔ توبہ قبول کرنے والا اور کرم فرمانے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد 2 صفحہ 298)

یہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر کا اردو ترجمہ ہے جو انہوں نے پارہ ۲۶ سورۃ الفتح کی آخری دو آیتوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمان افروز سیرت کا بیان کیا ہے۔

اس بیان کے عربی الفاظ دیکھنے ہوں تو انہیں حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی تفسیر عثمانی صفحہ ۲۴۲ (طبع سعودی عرب) میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ایمان کے رسوخ اور عمل کی پختگی میں اس اونچے مقام پر پہنچے ہوئے تھے کہ اس میں کسی پہلو سے کسی تردد اور شک کو راہ نہیں دی جاسکتی۔

مزید غور کیجیے کہ امت کے معاملات جب تک صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے سپرد رہے اسلامی معاشرہ بے شک اشداء علی الکفار رحماء بینھم کا مظہر رہا لیکن یہ حالت اسی دور تک رہی جب تک امتِ مسلمہ زیادہ تر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت پر مشتمل تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ شریفہ کا زمانہ جوں جوں دور ہوتا گیا امتِ مسلمہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد کم ہوتی گئی اور دوسرے مسلمان جو صحابی نہ تھے اکثریت بنتے چلے گئے۔ اب ایسے دور کے مسلمان اگر رحماء بینھم کا مظہر نہ رہیں تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اس صفت کی آئینہ دار نہیں رہی بلکہ دیکھا جائے تو ایسے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجموعی حیثیت یا تنظیم کسی محسوس صورت میں ملتی ہی نہیں۔ وہ اگلے دور کے مسلمانوں میں اس طرح ملے جلے نظر آتے ہیں کہ اس دور کے فیصلے نہ جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلے سمجھے جاسکتے ہیں اور نہ ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات کہا جاسکتا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ ان اختلافات نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں سے شہرت حاصل کی لیکن یہ اختلافات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کا اختلاف نہیں کہلاسکتے کیونکہ اس وقت کی جماعتی زندگی پر غیر صحابہ کا غلبہ اور تسلط تھا۔ یہ آیت شریفہ بہیئت مجموعی تمام جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح پر مشتمل ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے انفرادی تاثرات بالخصوص جب کہ ان کے ساتھ غیر صحابہ بھاری اکثریت سے شامل ہوں ان صفات کے پابند نہیں۔ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا کا مصداق بھی وہی دور ہے جب کہ امتِ مسلمہ زیادہ تر جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی اور امت کے معاملات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ہی سپرد تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بجائے غیر صحابہ کا غلبہ تھا اور وہ بھی زیادہ تر وہی لوگ تھے جو سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کہنے سننے میں نہ تھے۔ ہمیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس دور کے متعدد ایسے خطبے ملتے ہیں جن میں وہ اپنی مجبوری اور ان لوگوں کی سینہ زوری کے بہت شاکی نظر آتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

یملکوننا ولا نملکھم (نہج البلاغہ جلد 2، ص 98)

ترجمہ: یعنی یہ لوگ اپنا حکم ہم پر چلاتے ہیں اور ہماری نہیں سنتے۔

ایسے لوگوں کی معیت اگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدگمان کئے رکھے اور یہ لوگ ہر وقت ایسے مواقع کی تاک میں رہیں اور باہمی معاملات میں اختلاف و انشقاق کے کانٹے بوتے رہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے واقعاتِ جمل یا حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے تمام تر اختلافات وفساد نیت پر نہیں، صرف غلط فہمیوں پر مبنی تھے۔ بایں ہمہ ان حضرات میں رحماء بینھم کی جھلک پھر بھی کسی نہ کسی انداز میں موجود تھی۔ جنگِ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے حسنِ سلوک اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو اس لیے چومنا کہ اس ہاتھ نے جنگِ احد کے دن حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال کا کام دیا تھا۔ یہ تمام واقعات اس کے شاہد ہیں۔

ثانیاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کے مقابلہ میں بے شک رحماء بینھم کی شان سے ممتاز تھے۔ قرآن عزیز ان کی اس صفت کو اشداء علی الکفار کے ساتھ ملا کر بیان کرتا ہے یعنی کفر کے مقابلے میں وہ بے شک ایک اور باہمی طور پر ایک دوسرے سے شفیق و رحیم ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اختلافات کی پوری شدت کے وقت بھی اس صفت رحماء بینھم سے ممتاز تھے۔ یعنی کفر کے مقابلے میں اختلافات کے باوجود وہ ایک دوسرے سے شفیق و رحیم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قیصرِ روم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امداد کی پیشکش کی تو آپ نے باہمی شدتِ اختلاف کے باوجود اسے یہ جواب دیا کہ تیری جو آنکھ علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھے گی وہ نکال دی جائے گی اور جو ہاتھ اٹھے گا وہ کاٹ دیا جائے گا۔

ان واقعات کی روشنی میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان بزرگوں کے اختلافات اشداء علی الکفار کی صفت سے متصف ہونے کے وقت رحماء بینھم کی شان سے پوری طرح سے ممتاز تھے۔

# رسالت محمدی کی تیئس ۲۳ سالہ کامیاب تبلیغ

## حجۃ الوداع میں تاریخی اظہار اسلام

آنحضرت ﷺ نے اپنی مدنی زندگی میں ایک ہی حج کیا اور ایک حج ہی بشرط استطاعت امت پر فرض بتلایا تاکہ امت پر کسی سنت حج کی مشقت نہ آئے۔ مسلمانوں پر ایک سال پہلے سے حج کے دروازے کھل چکے تھے لیکن آپ نے اس حج کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا امیر بنایا اور خود اگلے سال حجۃ الوداع پر تشریف لائے اور اپنی ۲۳ سالہ ذمہ داری پوری کرنے کا اپنی امت سے اس طرح اقرار لیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اس دن خطبہ دیا:

الا ان اللہ حرم علیکم دمائکم واموالکم کحرمۃ یومکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا فی شہرکم ھٰذا الا ھل بلغت؟ قالوا نعم قال اللھم اشھد اللھم اشھد (ثلثاً) ویلکم او ویحکم۔ انظروا لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۶۳۲)

(صحیح بخاری کی ایک روایت میں فان دمائکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام بھی مروی ہے۔ دیکھئے کتاب الحج باب الخطبۃ ایام المنیٰ جلد 1، ص234)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اس دن خطبہ دیا اور فرمایا:

اچھی طرح سن لو کہ تمہارے خون اور تمہارے اموال اسی طرح تمہارے لیے لائق احترام ہیں جیسا کہ یہ عرفات کا دن تمہارے اس شہر میں اور اس مہینہ میں لائق حرمت ہے۔ کیا میں نے یہ بات (تم تک) پہنچا دی؟

سب نے اقرار کیا ہاں آپ نے (اللہ کی طرف دھیان کر کے) فرمایا اے اللہ تو اس پر گواہ رہ۔ ایسا تین دفعہ ہوا پھر آپ نے کہا افسوس تم پر۔ یا ہائے تم پر۔ دھیان رکھنا میرے بعد پھر کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں توڑنے لگو۔

حضرت ابوبکرہ کی روایت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دماء کم واموالکم کے ساتھ واعراضکم کے الفاظ بھی کہے اور یہ بھی فرمایا تھا:

وستلقون ربکم فسیألکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض الا لیبلغ الشاھد الغائب فلعل بعض من

یبلغه ان یکون اوعیٰ له من بعض من سمعه ..... ثم قال هل بلغت هل بلغت (صحیح بخاری جلد 2،ص833)

ترجمہ: تم اپنے رب سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کا پوچھے گا۔ دھیان رکھنا میرے بعد میرا رستہ نہ بھول جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں توڑنے لگو۔ دھیان کرو جو یہاں موجود ہیں وہ اس تک یہ بات پہنچائیں جو یہاں نہیں آیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسا ہو جس کو یہ حاضر پہنچا رہا ہے اس سے زیادہ جاننے والا اس یقین سے جس نے اسے سنا۔

اور آخر میں آپ نے دو دفعہ پوچھا کیا میں نے بات پہنچا دی؟ کیا میں نے بات پہنچا دی۔

صحیح مسلم میں آپ کا یہ بین الاقوامی خطاب اور بھی زیادہ واضح پیرائے میں ملتا ہے آپ نے فرمایا:

(فخطب الناس وقال) ان دماء کم واموالکم حرام علیکم کحرمة یومکم هٰذا فی شهرکم هٰذا فی بلدکم هٰذا الا کل شئی من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوع ودماء الجاهلیة موضوعة ...... وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعده ان اعتصمتم به کتاب الله وأنتم تسألون عنی فما انتم قائلون قالوا نشهد انك قد بلغت وادیت ونصحت فقال باصبعه السبابة یرفعها الی السمآء وینکتها الی الناس اللهم اشهد اللهم اشهد (ثلث مرات) (صحیح مسلم جلد ۱،ص ۳۹۷)

ترجمہ: اور آپ نے لوگوں میں خطبہ دیا اور کہا بیشک تمہارے خون تمہارے اموال تم پر اسی طرح لائق احترام ہیں۔ جس طرح یہ آج کا دن (عرفات کا دن) تمہارے لیے لائق احترام ہے۔ اس ماہ ذوالحج میں تمہارے اس شہر میں۔ خبردار رہو کہ دور جاہلیت کی ہر چیز میرے ان قدموں کے نیچے دب چکی اور جاہلیت کے تمام خون بھی اپنی جگہ ختم ٹھہرے...... اور میں تم میں وہ چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ تم اگر اسے تھامے رہو تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ کتاب اللہ ہے اور تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا سو تم کیا کہو گے؟ حاضرین نے کہا ہم شہادت دیں گے کہ آپ نے اپنی رسالت ہم تک پہنچا دی اسے ادا فرمایا اور ہماری خیر خواہی کی آپ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف رخ کر کے کہا اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، آپ نے ایسا تین دفعہ کہا۔

ان بیانات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ آپ یہ اقرار اپنی تیئس سالہ تبلیغ رسالت پر لے رہے ہیں کہ اللہ رب العزت نے جو ذمہ داری آپ پر ڈالی تھی۔ آپ نے اسے پورا کیا اور اللہ کی یہ امانت مسلمانوں تک پہنچ گئی پھر یہ بات اس پر اور مہر تصدیق ثبت کرتی ہے کہ آیت تکمیل دین بھی اسی دن میدان عرفات میں اتری۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (پ ۶، المائدہ ۳)

ترجمہ: آج میں نے پورا کر دیا تمہارے لیے دین تمہارا اور پوری کی تم پر میں نے اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین۔

اب اس پس منظر کی روشنی میں کوئی صاحب علم کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو حجۃ الوداع میں نہیں ۱۸ ذوالحجہ کو بمقام غدیر خم مکمل فرمایا تھا؟ ہرگز نہیں! حجۃ الوداع کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۸۱ دن اپنی دنیوی زندگی میں رہے اور پھر ربیع الاول میں آپ نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ حجۃ الوداع کے بعد آپ پر جو وحی بھی آئی وہ انتظامی اور اخلاقی امور کی ہی رہی اسلام کے اصول و عقائد سب آیت تکمیل دین سے پہلے حضور ﷺ کی امت کو مل چکے تھے۔

حجۃ الوداع کے بعد کسی یہودی سے یہ بات سنی گئی کہ اگر آیت تکمیل دین کی طرح کوئی آیت ہم میں آتی تو ہم اس دن کو اپنی عید کا دن ٹھہراتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا:

انی لأعلم أی مکان انزلت... انزلت و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقف بعرفۃ (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۶۳۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جب یہ آیت اتری تو ہماری دو عیدیں تھیں۔ ایک یوم جمعہ اور ایک یوم عرفہ۔ سو اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع آپ ﷺ کے پورے تیئس سالہ دور وحی کی کامیاب تبلیغ کا اظہار تھا صرف ایک دو جزئیات کے ملنے ملانے کی تصدیق نہ تھا دو دو تین تین دفعہ بات دہرا کر اپنی پوری تبلیغ رسالت کا اقرار لیا جا رہا تھا کوئی اصولی اور اعتقادی بات ایسی نہ تھی جو اس دن آیت تکمیل دین سے خارج رہی ہو امور شریعت سب طے پا چکے تھے اس کے بعد آپ ﷺ نے صرف انتظامی امور سیاسی نصائح اور مکارم اخلاق اور آسانی بشارات تو بیان فرمائیں لیکن اصول دین اور شرع متین میں کسی بات کا اضافہ نہ فرمایا اثنا عشریوں کا یہ عقیدہ صحیح نہیں کہ تکمیل دین ۹ ذوالحج کو نہ ہوئی تھی۔ ۱۸ ذوالحج کو ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف واپس لوٹے تو رستے میں غدیر خم کے پاس قیام فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ یہ ہرگز درست نہیں۔

انہوں نے یہ عقیدہ کس لیے بنایا صرف اس لیے کہ ۱۸ ذوالحجہ کے اس ارشاد سے کہ میں جس کا دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے جس کی اس سے محبت نہیں اس کی مجھ سے محبت نہیں اس روایت سے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل ثابت نہ ہوئی تھی اس لیے انہوں نے عقیدہ اختیار کیا کہ دین کی تکمیل ۹ ذوالحجہ کو نہیں ۱۸ ذوالحجہ کو مقام غدیر خم ہوئی تھی حالانکہ اہل سنت کتابوں کی رو سے بہ مقام غدیر خم کسی آیت کا

نزول نہیں ہوا۔

جب آپ پر آیت تبلیغ دین اتری تو یہ وہ موقع تھا جس میں آپ کے پورے تیئس سالہ ۲۳ دور وحی کے کامیاب ہونے کی خبر دی گئی تھی اور آپ کو اس بات کی ضمانت دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے مخالفین کے ہر حیلہ و حجت سے پوری طرح آپ کو اپنی پوری حفاظت میں رکھیں گے۔

آپ اس آیت کو پھر سے مطالعہ فرمائیں کیا اسے کسی بھی صورت میں آیت تکمیل دین الیوم اکملت لکم دینکم کے بعد اتری آیت سمجھا جا سکتا ہے؟ اور الیوم (آج) کے لفظ کی وجہ سے اسے دو بار اتری قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے آیت تبلیغ رسالت میں آپ پر اس طرح اپنی حجت تمام کی کہ اب آپ کے مخالفین کی کوئی بات آپ کے خلاف نہ چلے گی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے ہر حیلہ و حجت سے بچانے کی ضمانت دے دی ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ وَٱللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ (پ ۶، المائدہ ۶۷)

ترجمہ: اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا (اس کی کوئی وحی نہ پہنچائی) اور اللہ تجھ کو بچائے گا لوگوں سے بیشک اللہ راستہ نہیں دکھاتا قوم کفار کو۔

اس آیت میں یہ تین صورتیں سامنے رہیں اس آیت پر شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نفیس حاشیہ لکھا ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل کریں لہٰذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی آپ ذرا سی کوتاہی کریں۔

عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے مقصر رہتا ہے (۱) یا تو اسے اپنے فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو۔ (۲) یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان شدید پہنچنے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو (۳) یا مخاطبین کے عام تمرد وطغیان کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہل کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے کہ تبلیغ کے مثمر اور منتج ہونے سے مایوسی ہو۔ پہلی وجہ کا جواب یاأیھا الرسول سے فما بلغت رسالتہ تک دوسری کا واللہ یعصمک من الناس میں اور تیسری کا ان اللہ لایھدی القوم الکافرین دے دیا گیا۔ یعنی تم اپنا فرض ادا کیے جاؤ اللہ تعالیٰ آپ کی جان اور عزت وآبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلائے گا باقی ہدایت وضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ایسی قوم

بس نے کفر و انکار پر ہی کمر باندھ لی ہے اگر راہ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو
کر اپنے فرض کو چھوڑو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے
موافق امت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی۔ نوع انسانی کے عوام وخواص میں جو بات جس طبقہ
کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی۔ آپ نے بلا کم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر
خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی۔ (ص ۱۵۸ طبع سعودی عرب)

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع سے پہلے کسی وقت نازل ہوتی تھی۔ حج سے واپسی پر بمقام غدیر خم نہیں۔ غدیر خم میں کوئی آیت نہیں اتری۔ آپ لکھتے ہیں:

وفات سے دو ڈھائی مہینہ پہلے حجۃ الوداع کے موقعہ پر جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمان
اسلام اور عاشقان تبلیغ کا اجتماع تھا آپ نے علی رؤس الاشہاد اعلان فرما دیا کہ:

اے خدا تو گواہ رہ میں تیری امانت پہنچا چکا

اس آیت تبلیغ (بلغ ما انزل الیك) کے سیاق وسباق میں اہل کتاب کا ہی ذکر ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت بنیادی طور پر مسلمانوں کے تخاطب میں نہیں۔ اہل کتاب کے تخاطب میں ہے اور وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سب سے بڑی طاقت تھے۔ اس وقت مشرکین اور مجوسی اور دہریے کوئی بڑی طاقت نہ رہے تھے۔ اس سلسلہ آیات میں شیعہ کے اس دعویٰ میں کوئی جان نہیں کہ یہ آیت تبلیغ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم کرنے کے لیے تھی۔

ان ۲۳ سالہ مختلف مراحل وحی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح ان کے مکر سے نکل جانا اور مدینہ میں آپ کا جس عقیدت اور گرمجوشی سے استقبال کیا گیا وہ عبدالمطلب کے اس یتیم پوتے کی آسمانی نصرت کا ایک ایسا ڈنکا تھا کہ اس کے پیچھے کسی دنیوی سبب اور حیلے کا کوئی تصور تک نہیں کیا جا سکتا پہلے پیغمبروں میں سے کسی کے ساتھ اس حیرت ناک پیرائے میں سچائی کے پھول کھلتے نہیں دیکھے گئے یہ ایک قیامت تک رہنے والی نبوت کی شان تھی جس سے اس دور وحی کا آغاز ہوا۔

یہ سب حالات گو آپ سے پردے میں تھے لیکن اس دوران آپ کبھی کسی پریشانی میں نہیں دیکھے گئے غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو بہت پریشان اور فکر مند تھے لیکن آپ کا دست شفقت اس یقین والفت سے آپ کو تھپکی دے رہا تھا کہ گویا آپ کے سامنے آپ کی رسالت کا مستقبل ایک کھلی کتاب کی طرح روشن ہے اور آپ کبھی ایک لحہ کے لیے بھی اس یقین سے نہیں نکلے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رسالت کے ساتھ سب ادیان و نظریات پر غالب کریں گے اور یہ پیشگوئی لیظھرہ علی الدین کلہ ہر صورت میں آپ پر پوری ہو کر رہے گی۔

یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ آخر میں اپنے اس موضوع میں ناکام ہو گئے تھے جیسا کہ ایرانی سربراہ خمینی نے گمان کیا ہے کیونکہ اس آیت سے پہلی آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے خود آپکے اس مشن (اظہارِ رسالت) کو کامیاب کرنے کا بڑے زوردار لفظوں میں اعلان کیا ہوا ہے:

يُرِيدُونَ اَنْ يُّطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُورَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ (پ۲۸، الصف ۸)

ترجمہ: (بے انصاف) لوگ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنی افواہوں سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اور پڑے برا مانیں منکر۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی منکر پڑے برا مانا کریں اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔ مشیت الٰہی کے خلاف کوئی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے کوئی احمق نور آفتاب کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے۔ یہی حال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کا اور ان کی کوششوں کا ہے۔ شاید بافواھھم کے لفظ سے یہاں اس طرف بھی اشارہ کرنا ہو کہ بشارات کے انکار واخفاء کے لئے جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں وہ کامیاب ہونے والی نہیں۔ ہزار کوشش کریں کہ فارقلیط آپ نہیں ہیں لیکن اللہ منوا کر چھوڑے گا کہ اس کا مصداق آپ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۳۲ طبع سعودی عرب)

اس کا حاصل یہی ہے کہ آپ کی تیئس سالہ کامیاب تبلیغ میں کسی شک کو کوئی راہ نہیں دی سکتی۔

مکہ سے نکلنے سے پہلے آپ کو اپنے پھر مکہ آنے کا اس قدر یقین تھا کہ اللہ کے حضور دعا کرتے آپ کی زبان مبارک سے پھر سے مکہ آنے کے الفاظ پہلے نکلے اور نکلنے کے الفاظ بعد میں صادر ہوئے۔ اس یقین سے دعا کرنے کے الفاظ اللہ رب العزت ہی نے آپ کے منہ میں ڈالے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۰)

ترجمہ: اور کہہ اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا (کہ ساتھ صدق ہو) اور نکال مجھ کو سچا نکال (کہ پھر ساتھ صدق ہو) اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کا والی مدد۔

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ جب آپ مکہ سے نکلے تو بھی صدیق ساتھ تھے اور جب فتح پا کر مکہ آئے تو بھی صدیق ساتھ تھے۔

## قرآن کریم کا آخر کا بیان بھی اس بین الاقوامی غلبے کا ضامن رہا:

قرآن کریم کی کل ۱۱۴ سورتیں ہیں آخری سورت ۱۱۴ یہ ہے کہ لوگ فوج در فوج دائرہ اسلام میں

آئیں تو آپ جان لیں کہ آپ کا سفر آخرت آ پہنچا:

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○

ترجمہ: جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فتح اور تو دیکھے لوگوں کو فوج در فوج دین میں داخل ہوتے تو پاکی بول اپنے رب کی اور اس سے استغفار کر بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔

اس میں بھی آپ کو بتلایا دیا گیا کہ آپ کا دین سب ادیان ونظریات پر غالب آنے والا ہے اور لوگ ہر طرف سے فوج در فوج اسلام میں آ جائیں گے۔

سورۃ توبہ اور سورۃ الفتح کے بعد یہ اسلام کے بین الاقوامی غلبے کی تیسری بشارت ہے۔ علمی اور فکری غلبہ تو رسالت محمدی کو نزول قرآن کے ساتھ ہی مل گیا تھا اور حقیقی اور عملی غلبہ میں بھی اس دین کو اس وقت مل جائے گا جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام شریعت محمدی کی پیروی اور اس کی عالمی اشاعت کے لیے کھلے طور پر نزول فرمائیں گے۔ جہاد کریں گے اور دجال اکبر قتل ہوگا۔ اس پر اللہ کی اپنی گواہی کافی ہے۔

وکفیٰ باللہ شھیداً (پ ۲۶، الفتح ۲۸)

اس پر ہم حدیث عالمی غلبہ رسالت کا موضوع ختم کرتے ہیں اور اپنے قارئین کو بھی اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ حدیث ولایت کے گذشتہ موضوع میں ہم نے جو اس حدیث کی روایتی حیثیت پر کلام کیا ہے۔ اس پر ایک دفعہ پھر نظر کر لیں۔

## ایک ضروری نوٹ:

اہل سنت اور شیعہ میں اب تک جو احادیث عام زیر بحث رہی ہیں۔ ان میں حدیث عالمی غلبہ رسالت آپ نے کہیں دیکھی نہ ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پہلی زیر بحث احادیث میں تو شیعہ علماء کو کسی نہ کسی راہ سے بحث کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ گو انہیں اس کا جواب بھی پورا مل جاتا ہے لیکن عالمی غلبہ رسالت کی حدیث گو شیعہ علماء پر ایک نہایت سنگ گراں ہے گو وہ اس کے انکار پر سر عام آنے کی بھی کبھی ہمت اور جرأت نہیں رکھتے۔

ہم اہل سنت حدیث عالمی غلبہ رسالت کو اپنے لیے وہ بقعہ نور سچ کا ظہور اور دل کا سرور سمجھتے ہیں کہ اب تک اس کے سہارے پورے عالم اسلام خصوصاً حرمین شریفین میں ہم ہی اسلام کی سب سے بڑی قوت سمجھے جاتے ہیں یہاں تک کہ شیعہ علماء بھی جب کبھی اہل سنت کی بات کرتے ہیں تو انہیں اپنا بڑا بھائی کہہ کر ان کا ذکر کرتے ہیں۔

اس صورت حال میں راقم الحروف نے دوازدہ احادیث کی اس علمی دستاویز میں اس حدیث کو

درمیان میں رکھا ہے۔ یہ حدیث اس پورے عہد میں ہار کے درمیانے موتی کی سی ہے جس کی جتنی بھی قدر اور شہرت کی جائے کم ہے۔

اس عالمی غلبہ رسالت کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو ایک خواب دکھایا اور ظاہر ہے کہ انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے اور نیند کی حالت میں ان کا دل جاگتا اور وہ اپنے قریب ہوئی باتوں کو سنتے ہیں۔ حضور ﷺ کا وہ خواب کیا تھا اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح بخاری میں دیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بینما أنا قائم رأیتنی أتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدیّ

(صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۰۸۰)

ترجمہ: میں سویا ہوا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو نیند کی حالت میں دیکھا کہ مجھے پوری دنیا کے خزائن کی چابیاں دی گئی ہیں اور میں نے انہیں اپنے دونوں ہاتھوں میں محسوس پایا۔

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ آپ ﷺ نیند کی حالت میں بھی اپنے قریب ہونے والی باتوں کو سنتے ہیں اور یہ بات کتنی غلط ہوگی کہ آپ اپنے روضہ انور کے پاس عرض کئے گئے درود وسلام کو نہ سن سکیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے اور اس میں کوئی راوی مجروح نہیں۔

حضور ﷺ کو یہ عالمی غلبہ مل کر رہے گا اور حضور ﷺ کو بتلایا گیا کہ آپ لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں فوجی پیرائے میں (عالمی غلبہ میں) داخل ہوتا پائیں گے:

وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا

جب آپ یہ صورت حال دیکھ پائیں تو سمجھ لیں کہ آپ کا آخری وقت آن لگا ہے اور اب تسبیح وتحمید میں لگ جائیں۔ اس سے زیادہ آپ ﷺ کے عالمی غلبہ رسالت کی بشارت اور کیا ہوسکتی ہے۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ اس کے رسول غالب آ کر رہتے ہیں:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ

ترجمہ: اللہ لکھ چکا کہ میں غالب ہوں گا اور میرے رسول، بے شک اللہ زور آور ہے زبردست۔ (پ ۲۸، المجادلہ ۲۱)

اس پر ہم عالمی غلبہ رسالت کی بحث ختم کرتے ہیں۔ یتقبل اللہ منا ومنکم

# (۷) حدیث فدک

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ!

باغ فدک کا نام سامنے آتے ہی شاہ دو جہان کے بارے میں صاحب جائیداد ہونے کا وسوسہ ذہن میں ابھرتا ہے اسے زائل کرنے کے لیے اور خناس کو اپنی اس کارروائی میں ناکام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اہل اسلام کے عوام وخواص میں پندرہ سو سال سے لگے اس نقش کو مٹنے نہ دیں کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں آئے ہوئے مہاجر تھے جنھوں نے مدینہ شریف آکر کوئی جائیداد نہ بنائی اور نہ مدینہ میں اپنی وفات کے وقت کوئی جائیداد چھوڑی اور ایک مہاجر کا کوئی مالی اثاثہ ہو ہی کیا سکتا ہے جس کی اپنی ازواج بھی اس سے اپنا خرچہ مانگتے ڈرتی ہوں اور وہ اپنی رسالت کے حوالے سے انہیں نہ مانگنے کی تجویز دیتا ہو۔

سلام اس پر کہ جس کے پاس چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریہ جس کا بچھونا تھا

حضور ﷺ نے اپنی امت کے غریبوں کو تو زکوٰۃ وصدقات لینے کا حق دیا اور اپنے خاندان کے لیے صدقات لینا بھی حرام ٹھہرایا تاکہ کسی کی آپ کی مالی وراثت پر کوئی نظر نہ ہو۔

اس صورت حال میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے طلبہ اور نوجوانوں کو قضیہ فدک میں حدیث فدک کے کچھ روایتی پس منظر سے آشنا کریں۔ قضیہ فدک کو وہ خود مختلف کتابوں سے معلوم کرسکیں گے یہاں ہمیں بطور طالب علم اس کا صرف روایتی پس منظر سامنے لانا ہے کہ انبیاء کی کوئی مالی وراثت نہیں ہوتی۔

اس کی تائید شیعہ لٹریچر میں بھی اس طرح ملتی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے آخری لمحات میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو آپ کی خدمت میں پیش کیا اور آپ ﷺ کو کہا:

ھٰذان ابناؤك فورثهما شيئاً فقال أما حسن فان له هيبتي و سؤدوي و أما حسين فان له جرأتي و جودي

(حدیدی شرح نہج البلاغہ جلد ۲، ص ۲۶۱، کشف الغمہ جلد ۲، ص ۸۴ طبع تہران)

ترجمہ: یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں انہیں اپنی وراثت میں کچھ دے جایئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا حسن کے لیے میری ہیبت اور سرداری ہے اور حسین کے لیے میری جرأت اور

سخاوت ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی انبیاء کی کوئی مالی وراثت نہیں ہوتی حضرت سیدہ کا سوال تو مالی وراثت کا ہی تھا۔

یہاں ہم اس روایت فدک کو اہل سنت کی کتابوں میں صرف ابن شہاب زہری کے حوالہ سے ان کے شاگردوں (۱) صالح بن ابی الاخضر (۲) عقیل بن خالد (۳) معمر بن راشد (۴) شعیب بن ابی حمزہ (۵) امام مالک (۶) اسامہ بن زید بن حارثہ سے زیر بحث لا رہے ہیں۔

امام زہری کے ان شاگردوں سے آگے اسے روایت کرنے والے پھر آپس میں اس میں کئی باتوں میں مختلف ہیں۔

صحیح بخاری کی صالح بن ابی الاخضر کی روایت میں اور سنن ابی داؤد کی امام مالک کی روایت میں فرق ہے ایک میں طلب فدک میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا ذکر ہے اور ایک میں اس کا ذکر نہیں صحیح مسلم میں امام مالک عن ابن الشہاب کی روایت میں بھی اس ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں اور عقیل بن خالد کی روایت میں اس ناراضگی کا ذکر ہے۔ آپ تلاش کرتے کرتے تھک جائیں گے کہ اصل صورت واقعہ کیا ہے مگر ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔

اس پس منظر میں یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی بعض روایتوں میں ہے اور بعض میں نہیں سوا اسے اس طرح عوام میں لانا گویا کہ یہ عام مسلمانوں میں اور شیعوں میں اختلاف کا ایک بنیادی رکن ہے ہرگز درست نہیں ہمیں بطور طالب علم کوشش کرنی چاہیے کہ اسے علم کی روشنی میں ناقابل اعتبار بنا دیں۔

## ناراضگی کی روایت کو ناقابل اعتبار بنانے کے قطعی وجوہ:

۱۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنی زندگی میں "فدک سے اپنے گھر کا خرچہ قبول کرنا" تاریخ کا ایک ناقابل انکار واقعہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں بھی شاید یہ بات کبھی نہ گذری ہو کہ آپ یہ بات اپنی بیٹی کو بتائیں کہ انبیاء کی مالی وراثت نہیں ہوتی ورنہ وہ حضرت ابوبکر سے اس کا سوال نہ کرتیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ کے طلب وراثت پر یہ فیصلہ دیا تھا۔

انما یاکل آل محمد من ھٰذا المال یعنی مال الله لیس لھم أن یزیدوا علی الماکل (صحیح بخاری جلد۱، ص۵۲۶)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے اللہ کے اس مال سے بقدر اپنے کھانے کے لیتے رہیں گے

انہیں اس سے زیادہ پر کوئی حق نہ ہوگا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اسے قبول کرنا بتلاتا ہے کہ وہ اس فیصلے سے ہرگز ناراض نہ تھیں اگر وہ چھ ماہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہ کر پائیں تو کیا اس کی وجہ آپ کی بیماری نہیں ہوسکتی؟ اسے خواہ مخواہ ناراضگی کا نام دینا کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ مذکورہ عمل کہ آپ نے فدک کی آمدنی سے گھر کا خرچہ قبول کیا اس کی کھلی تردید نہیں کرتا؟

## شارح نہج البلاغہ علی نقی کی اس مال کے قبول کرنے کی شہادت:

خلاصہ ابوبکر غلہ وسود آں را گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت مے داد (جلد ۵، ص ۹۶۰)

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ ابوبکر فدک کی پیداوار سے اہل بیت کو بقدر ضرورت دیتے رہے۔

## حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما میں مصالحت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رضا طلبی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ حضرت سیدہ، حضرت ابوبکر سے ہرگز ناراض نہ تھیں ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کے جذبات کا کچھ بھی احساس نہ کریں۔ ہم اپنے طلب حدیث کے سامنے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی روایت سے اسے اس طرح پیش کرتے ہیں:

کان لعلی من الناس جهة حیات فاطمه فلما توفیت استنکر علی وجوه الناس فالتمس مصالحة ابی بکر و مبایعته ... ثم قال انا قد عرفنا یا ابابکر فضیلتك وما أعطاك الله ولم ننفس علیك خیراً ساقه الله الیك ولکنك استبددت علینا بالامر وکنا نحن نریٰ لنا حقاً لقرابتنا من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فلم یزل یکلم ابابکر حتی فاضت عینا ابی بکر فلما تکلم ابوبکر قال والذی نفسی بیده لقرابة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی واما الذی شجر بینی وبینکم من هذه الاموال فانی لم آل فیها عن الحق ولم اترك امراً رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یصنعه الا صنعته فقال علی لابی بکر موعدك العشیة للبیعة

(صحیح مسلم جلد ۲، ص ۹۱، صحیح البخاری جلد ۱، ص ۵۲۶، جلد ۲، ص ۶۰۹)

ترجمہ: لوگوں کی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف

کچھ توجہ رہی جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں لیکن ان کی وفات سے آپ نے دیکھا کہ عامۃ الناس ان سے بالکل بیگانہ ہو رہے ہیں ان حالات میں آپ نے چاہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کی مصالحت ہو جائے...... (پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے کہنے پر ان کے گھر آئے) اور حضرت علی مرتضیٰ نے انہیں اپنے احساس کی اس طرح خبر دی:

اے ابوبکر! ہم آپ کی فضیلت اور اللہ نے آپ کو جو مقام دیا ہے اسے پہلے سے پہچانتے ہیں اور ہم اس شان کو جو اللہ نے آپ کو دی ہرگز اسے اپنے لیے بوجھ نہیں سمجھتے لیکن آپ نے انتخاب خلیفہ میں ہم اہل بیت پر زیادتی کی (کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جہاں یہ انتخاب ہوا ہم کو نہ بلایا) ہم بنو ہاشم اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب ہونے کی وجہ سے اپنا حق سمجھتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر حضرت ابوبکر سے مسلسل بات کرتے گئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر کی آنکھیں بہنے لگیں (انہیں آنسو آ گئے) پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا خدا کی قسم مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہمیشہ اپنی قرابت سے زیادہ عزیز رہی ہے اور اموال فدک وغیرہ کے بارے میں ہم میں جو اختلاف واقع ہوا تو اس میں میں نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی اور اس میں میں نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا میں نے ایسا ہی کیا"

صحیح بخاری کی اس روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انا قد عرفنا اور ولکنا نفس میں یہ جمع کے الفاظ ذکر فرمائے۔ ان میں آپ کی مراد کون لوگ تھے؟ اسے آپ نے ان الفاظ میں پوری طرح کھول دیا ہے:

وکنا نحن نری لنا حقاً لقرابتنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی رضی اللہ عنہ محسوس کرتے تھے کہ ہم بنی ہاشم کو بھی ثقیفہ بنی ساعدہ میں بلانا چاہیے تھا یہ بات شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذہن میں اس وقت نہ ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تو اس اجتماع سقیفہ میں اچانک آئے تھے یہ اجتماع ان کا اپنا بلایا ہوا نہ تھا۔

پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مابین یہ گفتگو اس وقت کی ہے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو چکی تھی اور اب یہاں حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی کوئی ناراضگی موضوع کلام نہ تھی۔

## یہ ناراضگی کا وہم کس بات سے چلا؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آپ سے کوئی بات نہ کرنے سے۔ حالانکہ اس کی وجہ آپ کی اپنی بیماری تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک بڑے صدمے کا بار تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو جو فدک کی وراثت نہ دی

تھی وہ صرف عمل رسالت کی وجہ سے تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صاف کہہ دیا تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل میں کوئی تغیر کرنا پسند نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کسی انداز فکر میں ناراض نہ ہوسکتی تھیں۔

پھر بھی جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ شاید آپ ناراض ہوں تو آپ اس وہم کو دور کرنے کے لیے خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں آپ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی خوشی کے بغیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اندر نہ بلا سکتے تھے۔ اس صورت حال میں حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی اگر کچھ ہو بھی تو وہ باقی نہیں رہتی کیونکہ آپ نے بخوشی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت دی اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی تھی اس لیے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی خوشی پوچھی آپ نے ہاں کی تو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

یہ روایت قارئین کو اہل سنت کی کتاب الریاض النضرۃ میں کوفہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حدیث علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ملے گی:

عن عامر قال جاء ابوبکر الیٰ فاطمة و قد اشتد مرضها فاستأذن علیها فقال لها علی هٰذا ابوبکر علی الباب یستاذن فان شئت ان تأذنی له؟ قالت او ذاك احب الیك قال نعم فدخل فاعتذر الیها کلمها فرضیت عنه

(جلد اول ص ۱۵۶، طبع مصر)

اس حدیث میں یہ الفاظ کہ اس وقت حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا شدت مرض میں تھیں بتلاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کرنے گئے تھے اس ضمن میں انہوں نے مناسب سمجھا کہ ان سے وہ اس بات کی بھی معذرت کرلیں جس کی وجہ سے آپ نے ان سے کلام کرنا چھوڑ رکھا ہے۔ اب آپ نے ان سے بخوشی کلام فرمایا اور ان سے راضی ہوگئیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اخلاق فاضلہ یہی ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا راضی ہوگئی ہوں آپ کی دانشمندی اور دینداری پہلے سے اچھی خاصی معروف رہی ہے۔

واخلق بالامر ان یکون کذلك لما علم من وفور عقلها و دینها

(فتح الباری جلد ۶، ص ۲۰۲)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۴ھ) البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں اس روایت کی سند جید اور قوی ہے۔ (جلد ۵، ص ۲۸۹)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۵۲ھ) نے بھی مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۴۵ پر اسے

تحقیقی روایت قرار دیا ہے۔ یہ آٹھویں، نویں اور گیارہویں صدیوں کی تین شہادتیں ہمارے طلبہ حدیث کے لیے حدیث فدک کے اس پہلو کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی اس روایت کے مطابق اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عشاء کے وقت بیعت کے لیے آنے کا وعدہ کیا۔ اس پر پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا میرا آج عشاء کے وقت آپ سے بیعت کا وعدہ ہے۔

اس سے یہ تو ملتا ہے کہ کھلی بیعت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تاخیر کی لیکن اہل سنت اور شیعہ کی کتابیں اس پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دنوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت سے کہیں انکار نہ کیا تھا وہ ساتھ ہی برابر ان کے پیچھے ہی نماز ادا کرتے رہے اور جب آپ نے کھلے طور بھی آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو پھر ان سے اس طرح وفا کی کہ اپنی خلافت میں بھی بقول ملا نور اللہ شوستری حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت سے نہ نکلے ان کے حالات بتاتے ہیں کہ اس وقت بھی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی لوگوں کے دلوں پر حکومت تھی۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حدیث فدک میں روایۃً اب تک اس پر اتفاق نہیں ہو سکا کہ فدک مانگنے حضرت سیدہ خود حضرت ابوبکر کے پاس گئی تھیں یا انہوں نے حضرت ابوبکر کے پاس کسی دوسرے شخص کو بھیجا تھا حدیث میں دونوں پیرایہ عمل ملتے ہیں اور یہ بات اب تک ثابت نہیں ہو سکی کہ امر واقع کیا تھا۔ حدیث کے طلبہ اس روایت کے اس اضطراب پر بھی ایک نظر کر لیں۔

## جاءت کی روایت صحیح ہے یا ارسلت کی:

اگر جاءت صحیح ہے تو پھر یہ سوال بھی ساتھ چلے گا کہ اس جانے میں آپکے ساتھ محرم کون تھا؟ حضرت علی تھے یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور اگر حضرت عباس تھے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اس وقت اس مسئلہ میں حضرت فاطمہ کے ساتھ نہ تھے۔ ہمیں اس وقت مسئلہ فدک سے بحث نہیں طلبہ حدیث کے سامنے صرف اس حدیث کو روایۃً لانا ہے اس کے بعد یہ فیصلہ طلبہ حدیث خود کریں کہ اس روایت میں کیا وزن رہ جاتا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری (جلد ۱، ص ۵۲۶):

عن عائشہ ان فاطمۃ ارسلت الی ابی بکر تسألہ میراثہا من النبی ﷺ

سو اس سے پہلے ص ۴۳۵ کی روایت میں سألت کو بھی ارسلت کے معنی میں ہی سمجھا جائے گا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی خالہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

أن عائشه ام المومنين اخبرته ان فاطمة بنت رسول الله ﷺ سألت ابابكر الصديق بعد وفاة رسول الله ﷺ

صحیح بخاری جلد ۲، ص ۶۰۹ میں بھی یہی ہے:

عن عائشه ان فاطمة بنت النبی ﷺ ارسلت الى ابى بكر تسأله ميراثها من رسول الله ﷺ المدينة وفدك وما بقى من خمس خيبر

لیکن صحیح بخاری جلد ۲، ص ۹۹۵ میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں اپنی اپنی وراثت مانگنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے اس سے ارسلت کی پہلی دونوں روایتوں کی ظاہراً تردید ہو جاتی ہے۔ اور سألت اور أرسلت کے الفاظ بھی ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں ان دو میں کوئی ایک صحیح ہوگا۔

عن عروة عن عائشه ان فاطمة والعباس اتيا ابابكر يلتمسان ميراثهما من رسول الله ﷺ وهما يومئذ يطلبان ارضيهما من فدك وسهمه من خيبر

یہاں پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ اگر یہ دونوں حضور ﷺ سے اپنی اپنی میراث لینے گئے تھے تو یہ باہمی تقسیم کس طرح واقع ہوئی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو فدک میں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ خیبر سے اپنا حصہ لیں وہ فدک میں اپنی وراثت کس طرح چھوڑ رہے تھے؟

سنن ابی داؤد سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کی دوسری ازواج بھی حضور ﷺ سے اپنی وراثت کی طلبگار تھیں۔ صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ نہ تھیں۔ دوسری ازواج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی طلب وراثت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجنا چاہتی تھیں۔ سنن ابی داؤد میں ہے:

عن مالك عن ابن شهاب عن عروة عن عائشه انها قالت ان ازواج النبى صلى الله عليه وسلم حين توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم اردن ان يبعثن عثمان بن عفان الى ابى بكر الصديق فيسألنه ثُمُنهن بالميراث من رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت لهن عائشة أليس قد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نورث ما تركناه فهو صدقة

(سنن ابی داؤد جلد ۴، ص ۶۰، صحیح مسلم جلد ۲، ص ۹۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی ازواج نے ارادہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں اور اپنی میراث میں آٹھواں حصہ آپ سے مانگیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ کیا حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم (گروہ انبیاء) موروث نہیں ہوئے ہم جو چھوڑیں وہ بیت المال میں جائے گا۔

اور اسامہ بن زید کی روایت میں ہے وہ ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دوسری ازواج کو کہا:

ألا تتقين الله ألم تسمعن رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا نورث ما تركنا فهو صدقة وانما هذا المال لآل محمد لنائبتهم ولضيفهم فاذا مت فهو الى من ولى الامر من بعدى (سنن ابوداؤد جلد ۲، ص ۶۰)

ترجمہ: کیا تم خدا سے نہیں ڈرتیں۔ کیا تم نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا ہم (انبیاء) موروث نہیں ہوتے یہ مال حضور ﷺ کے خاندان کے لیے ہے۔ کبھی ان پر کوئی تکلیف آئے یا کہیں ان کے ہاں مہمان آجائیں اور ان کو کھلانا پڑے۔ سو جب میری وفات ہو جائے تو یہ اموال اس کے ماتحت ہوں گے جو میرے بعد ولی الامر ہو۔

پھر یوم خیبر پر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا۔

فما بال اخواننا بنى المطلب اعطيتهم و تركتنا و قرابتنا واحدة

ترجمہ: ہمارے بنی مطلب بھائیوں میں ہم سے کیا فاصلہ ہے ان کے عطیات اور ہمارے ترکے اور ہماری قرابت ایک سی ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

فقال رسول الله ﷺ وسلم انا و بنى المطلب لا نفترق فى الجاهلية والاسلام وانما نحن وهم شئ واحد وشبك بين أصابعه عليه السلام .

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا (بنو ہاشم) اور بنی المطلب ہمیشہ اکٹھے رہے ہیں جاہلیت کا دور ہو یا اسلام کا سوائے اس کے نہیں کہ ہم اور وہ ایک ہی شئ ہیں۔ (اور اس پر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو اس طرح ملایا)

ان روایات کی مزید تفصیل قارئین کو فتح الباری۔ التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد اور بذل المجہود وغیرہ میں ملے گی۔ اصل بات صرف اتنی ہے کہ حضور ﷺ کی دوسری ازواج رضی اللہ عنہن نے بھی خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنی میراث لینے کا ارادہ کیا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہی بات کہی ان سے اتفاق نہ کیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان ازواج نے واقعی یہ بات حضور ﷺ سے نہ سنی ہو اور ایسی بات عام کہی بھی نہیں جاتی لیکن جب کوئی مسئلہ قواعد شرعیہ اور اسباب عقلیہ سے ثابت ہو جائے تو اب اس کا انکار بھی تو کسی صورت میں نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں پر سوال ابھرتا ہے کہ اگر ان ازواج مطہرات کو بھی فدک سے ان کی میراث ملتی ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اسے خود اپنے لیے سمجھنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اسے بھی یہاں حل کرنے کی ضرورت ہے۔

پھر کسی روایت سے نہیں ملتا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یا کسی اور کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی وراثت کے لیے بھیجا ہو۔ اگر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بتلانے سے اپنے اس خیال سے رک گئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی کہیں فدک سے حصہ لینے سے دستبردار ہوئیں؟ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلی گئیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس طلب فدک میں ان کے ساتھ کیوں نہ گئے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں امام زہری رحمہ اللہ نہیں ہیں وہ روایت یہ ہے:

جاءت فاطمة رضی الله عنها الی ابی بکر رضی اللہ عنہ فقالت من یرثك فقال اهلی وولدی فقالت مالی لا ارث ابی فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ سمعت رسول الله ﷺ یقول لا نورث ولکنی اعول من کان رسول الله ﷺ یعوله وانفق علی ما کان رسول الله ﷺ ینفق علیه

(الشمائل للترمذی ص ۴۴۱، بشرح شیخنا المکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس اللہ سرہ العزیز)

ترجمہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کی وراثت کس کو ملے گی؟ آپ نے کہا میرے گھر والوں کو اور میرے بیٹوں کو اس پر حضرت فاطمہ نے کہا میں اپنے والد سے وراثت کیوں نہیں پا سکتی اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی اور کہا حضور ﷺ جن کا

خرچہ اٹھاتے رہے میں ان کو خرچہ برابر دیتا رہوں گا اور حضور ﷺ جن پر خرچ کرتے رہے میں ان پر خرچ کرتا رہوں گا۔

اس روایت کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اکیلی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس طلب میراث کے لیے گئیں۔ اس میں سوال و جواب کی صورت بھی نہ کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ سے میراث نہ ملنے کی خبر ہو چکی ہوئی ہے۔ وہ خبر کب ہوئی ہوگی؟ جب آپ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر الصدیق کے پاس گئے اور آپ نے ان دونوں کو یہ حدیث سنا دی تھی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مالی وراثت نہیں چلتی وہ جو چھوڑ جائیں وہ بیت المال میں جاتا ہے۔ اس سے جاءت اور ارسلت دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور امت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی مالی وراثت نہ چلنے کا مسئلہ پوری قوت سے قائم ہو جاتا ہے۔ مسئلہ فدک پر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایۃ الشیعہ میں بڑی تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔ نیز اس کی پوری تحقیق اور شیعہ کتابوں سے اس کی پوری تنقیح آپ کو امام پاکستان حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رضی اللہ عنہ کی کتاب تحقیق فدک میں ملے گی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قطب الارشاد و شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ ہم نے یہاں صرف روایتی حیثیت سے اس روایت پر اٹھنے والے چند پہلو طلبہ حدیث کے سامنے رکھ دیئے ہیں اس سے شیعہ مجتہد ڈھکو صاحب کے بھی فدک کے بارے میں اٹھائے ہوئے جملہ اعتراضات یکسر بھسم ہو جاتے ہیں۔ و کفیٰ بہ حمداً وشکراً وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

# (۸) حدیث قرطاس

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

اہل سنت اور اثنا عشریوں کے اختلافی مسائل میں ایک واقعہ حضور اکرم ﷺ کا اپنے ایام علالت میں طلب قرطاس (کاغذ مانگنے) کا بھی ہے۔ اس کے لیے یہ الفاظ عام سنے جاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ۔ یا
ھلم اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ

پہلی روایت میں لفظ قرطاس ہے جس سے اختلاف کا یہ عنوان سامنے آتا ہے "حدیث قرطاس"
اس واقعہ کو سمجھنے کے لئے پہلے اس بات پر بھی کچھ غور کر لیا جائے۔

## اس وقت قلم کاغذ مانگنے کا مقصد کیا ہوسکتا ہے؟

یہ سوال کن لوگوں سے کیا گیا تھا کہ میرے پاس کاغذ قلم لاؤ میں کچھ لکھ دوں کہ تم اس کے بعد گمراہ نہ ہوسکو؟ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو پہلے ۹ ذوالحجہ میدان عرفات میں تکمیل دین کی یہ بشارت سن چکے تھے کہ آج دین مکمل ہوا اور اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور ان کے لیے ایک دین چن لیا اور وہ دین اسلام ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (پ۶، المائدہ ۳)

اور اللہ کی کتاب قرآن پاک بھی اپنی ابدی حفاظت کا مژدہ پا چکی تھی:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (پ۱۴، الحجر ۹)

ظاہر ہے کہ اس وقت کسی نصیحت کا لکھنا کسی بنیادی بات یا اعتقادی مسئلے کے لیے نہیں ہوسکتا ہے۔ کوئی انتظامی امور کی نصیحتیں ہوں گی کہ یہ حوزہ اسلام یا سلطنت اسلامی پوری طرح قائم رہے اور باہر کے دشمن

کسی طرح اس وحدت اسلامی کو پارہ پارہ نہ کر سکیں۔

مثلاً یہ نصیحت کہ پورے جزیرہ عرب میں یہود کہیں نہ بستے رہیں۔ بیرونی سیاسی وفود کو اسی طرح اپنے ہاں آنے دیا جائے جس طرح میں انہیں مواقع گفتگو دیتا رہا۔ یا یہ کہ میری قبر کو عبادت گاہ نہ بنا لینا۔ یہ سب انتظامی امور کی باتیں ہیں۔ امت کی اعتقادی حدود اس وقت پوری طرح مستحکم تھیں جن میں اب کسی کمی بیشی کو راہ نہ مل سکتی تھی۔

لیکن افسوس کہ شیعہ ذاکرین اس حدیث قرطاس کو اس پس منظر سے نہیں سوچتے اور نہ ہی دیکھتے ہیں۔ وہ لوگوں کو یہی مغالطہ دیتے ہیں کہ آپ یہ وصیت خلافت کے بارے میں لکھنا چاہتے تھے۔ کوئی ان نادانوں سے پوچھے کہ خلافت کا فیصلہ تو آپ لوگوں کے بیان کی رو سے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد ۱۸ ذوالحجہ کو غدیرخم میں ہو چکا تھا اور آپ نے فرمایا تھا من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اس کے جواب میں گوجرہ کا اسمعیل یہ کہتا رہا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان زبانی تھا اور اب آپ اسے تحریر میں لانا چاہتے تھے۔ کوئی سمجھدار آدمی اس جواب کو لائق قبول نہ سمجھے گا کہ جو فیصلہ ایک کھلے اجتماع میں ہو وہ ایک تحریر سے کہیں زیادہ وزنی ہوتا ہے اور تحریر کے گواہ تو دو چار سے زیادہ نہیں ہوتے۔

پھر یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو لکھنا نہیں جانتے تھے آپ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ میں تمہیں کچھ لکھ دوں۔ قرآن کریم میں ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ

(پ ۲۱، العنکبوت ۴۸)

ترجمہ: اور آپ نہ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے (ایسا ہوتا) تو اس صورت میں شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس آیت پر لکھتے ہیں:

نزول قرآن سے پہلے چالیس سال آپ کی عمر کے ان ہی مکہ والوں میں گزرے سب جانتے ہیں کہ اس مدت میں نہ آپ کسی استاد کے پاس بیٹھے نہ کوئی کتاب پڑھی نہ کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی جگہ رہتی۔

اب اس آیت کی روشنی میں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایام علالت میں اپنے آخری وقت میں کسی کو کہہ سکتے تھے کہ قلم دوات اور کاغذ لاؤ میں تمہیں کچھ لکھ دوں جس سے تم آئندہ کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے۔

پھر اس لکھنے کو اگر اس پر محمول کیا جائے کہ آپ اسے اپنے کسی سیکرٹری سے لکھنے کے لیے کہہ دیں گے تو پھر دریافت طلب بات یہ ہے کہ آپ کا وہ سیکرٹری کون تھا جو آپ کی طرف سے یہ لکھنے کا کام کرتا تھا۔ صلح نامہ حدیبیہ آپ کی طرف سے کس نے لکھا تھا؟ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے۔ تو اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قلم دوات اور کاغذ لانے کا یہ حکم بھی انہی کو دیا ہوگا اور حقیقت یہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم انہی کو دیا تھا۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

أمرني النبي صلى الله عليه وسلم ان أتيه بطبق يكتب فيه مالا تضل امته من بعده قال خشيت ان تفوتني نفسه (مسند امام احمد مبوب جلد ۲، ص ۸۴ مصر)

ترجمہ: مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس کوئی کاغذ لے آؤں آپ اس میں لکھ دیں جس سے آپ کی امت آپ کے بعد گمراہی میں نہ پڑے مگر میں اس لیے کاغذ لینے نہ گیا مجھے ڈر تھا کہ آپ میری غیر حاضری میں نہ چل بسیں۔

اب اگر یہ بات مان لی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وصیت خلافت کے بارے میں ہی کرنا چاہتے تھے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بلافصل نہ بتانا چاہتے تھے۔ یہ کسی طرح مناسب نظر نہیں آتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ہی اپنی خلافت کا حکم لکھیں تو یہ خلافت کسی دوسرے کی ہی زیر نظر تھی کہ خلافت تو اس کی ہو اور قلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہو اور حکم ذات رسالت کا ہو۔

وہ کون سے بزرگ ہیں جن کی خلافت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوانا چاہتے تھے؟ ہم اسے صحیح مسلم سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ صالح بن کیسان ربیع شیخ ابن شہاب زہری سے وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(قالت قال لي رسول الله في مرضه) ادعي لي اباك واخاك حتى اكتب كتاباً فاني اخاف ان يتمنى متمن ويقول انا اولى ويأبى الله والمومنون الا ابابكر (صحیح مسلم جلد ۴، ص ۲۷۳)

ترجمہ: تو میرے لیے اپنے والد اور اپنے بھائی کو بلا اس لیے کہ میں کوئی تحریر کر دوں مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی امید کرے اپنے لیے اور کہے میں اس کے زیادہ لائق ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور عام امت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کو اس پر (خلافت پر) نہ آنے

دیں گے۔

یہ ارادہ وصیت برائے خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے تھا اس سے شیعہ لوگوں کا دعویٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنا چاہتے تھے بالکل باطل ہو جاتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ ھ) اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وما تدعیہ الشیعہ من النص علی علی والوصیۃ الیہ فباطل لا اصل لہ

ترجمہ: اور شیعہ جو اس بات کے مدعی ہیں کہ اس طلب قرطاس میں حضرت علی کی خلافت اور انہیں اپنا وصی بنانا مقصود تھا یہ سوچ ہی غلط ہے اور اس کی (اللہ کے دین میں) کوئی اصل نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارادہ فرمایا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ایک مصلحت سے قلم و قرطاس نہ لا سکے اس کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ دن اور اپنے بستر علالت میں رہے اور پھر سفر آخرت اختیار فرمایا تو یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آپ نے پھر اتنے دن دوبارہ قلم و قرطاس لانے کا حکم کیوں نہ دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اب اللہ تعالیٰ کے اس تکوینی فیصلے پر مطلع ہو گئے تھے کہ مومنین کرام اب ابوبکر کے سوا کسی کو نہ چنیں گے۔ مزید برآں اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مسلمانوں کا نظام حکومت شوریٰ سے قائم ہوگا۔ وہ اللہ کی طرف سے منصوص نہیں ہوگا، دیکھنے سے محسوس ہوگا اور اس میں مومنین آپس میں کبھی اختلاف بھی کر سکیں گے اور اسلام کے اس فطری نظام میں انسانوں کی اپنی سوچ و بچار کی راہیں کبھی مستقل طور پر بند نہ ہو سکیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر مزاج عالم قائم کیا ہے کہ اختلاف کی یہ راہیں کبھی تکوینی طور پر بند نہ ہو پائیں۔

قرآن کریم میں ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (پ ۱۲، ھود ۱۱۹)

ترجمہ: اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک راہ پر (لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا) لوگ ہمیشہ رہیں گے اختلاف رائے میں اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اللہ تعالیٰ اور اپنی رائے سے چل سکیں۔

دیوبند کے عمدۃ المفسرین اور زبدۃ المحدثین نے اس پر جو تشریحی نوٹ لکھے ہیں ان کے پڑھنے سے سب مخاصمین کا بھلا ہوگا۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

دنیا کی آفرینش سے غرض یہ ہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی صفات جمالیہ اور قہریہ (جلالیہ) کا

ظہور ہو اس لیے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہے تا کہ ایک جماعت اپنے مالک کی وفاداری و اطاعت دکھا کر رحمت و کرم اور رضوان و غفران کا مظہر بنے۔ جو الا ما رحم ربك کی مصداق ہے اور دوسری جماعت اپنی بغاوت و غداری سے اس کی صفت عدل و انتقام کا مظہر بن کر حبس دوام کی سزا بھگتے جس پر خدا کی یہ بات پوری ہو لأملئن جهنم من الجنة والناس أجمعين البتہ بھر دوں گا دوزخ......اور تکوینی غرض یہ ہے کہ تشریعی مقصد کو اپنے قصد و اختیار سے پورا کرنے والے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ و جمالیہ یا بالفاظ دیگر لطف و قہر کے مورد و مظہر بن سکیں ۔

درکار خانۂ عشق از کفر ناگزیر است
دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

پھر لطف و کرم کے مظاہر بھی اپنے مدارج استعداد و عمل کے اعتبار سے مختلف ہونگے۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

(تفسیر عثمانی ص ۳۱۱، سعودی عرب)

قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے کفر کی پانچ جماعتوں اور ایمان کی ایک جماعت کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (پ ۱۷، الحج ۱۷)

ترجمہ: بیشک اللہ فیصلہ کرے گا ان (چھ) میں قیامت کے دن بیشک اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

یعنی تمام مذاہب و فرق کے نزاعات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں قیامت کے دن ہوگا۔ سب جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دیئے جائیں گے۔ اللہ ہی جانتا ہے کون کس مقام یا کس سزا کا مستحق ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب آخری فیصلہ قیامت کے دن ہونا ہے تو نظریہ وحدت ادیان (کہ سب دین اپنی اپنی جگہ حق ہیں) کسی طرح درست نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر سب ادیان اپنی اپنی جگہ حق تھے تو پھر آخری فیصلہ قیامت کے دن کیا ہو پائے گا۔

اور پھر آگے ایک جگہ فرمایا:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (پ ۱۷، الحج ۴۰)

ترجمہ: اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت۔

اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی سخت خلاف ورزی ہوگی اس لیے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کے لیے جنگ کرتی رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بددین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے، تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کے لیے صفحہ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ، تکیہ، خانقاہ، مسجد اور مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا۔

(تفسیر عثمانی ص ۴۴۸)

دارالعلوم دیوبند کے زبدۃ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حدیث قرطاس کے موضوع پر نہایت لطیف استدلال کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر وصیت لکھوانے کا ارادہ کیا تھا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سیاسی تدبیر تھی لیکن خدا کا تکوینی فیصلہ یہ تھا کہ یہ لکھنا عمل میں نہ آئے لہٰذا آپ کے قلم و دوات مانگنے پر ایک ہنگامہ سا ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مصلحت کسی کو معلوم نہ تھی کہ وہ قلم و قرطاس لینے کیوں نہیں جاتے پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فیصلے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے دن اور زندہ رہنے کے باوجود دوبارہ قلم و قرطاس طلب نہ کیا اور اسلامی نظام حکومت مسلمانوں کے اپنے فیصلہ پر چھوڑ دیا ہے جسے شورائی نظام کہتے ہیں۔

## شورائی نظام کا اہم ترین فائدہ:

اسلامی عقیدہ میں چونکہ زمین پر انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں اس لیے ضروری تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو اپنی بلا فصل خلافت کے لیے نامزد نہ کریں کیونکہ اس صورت میں اس غیر معصوم امیر کو کسی غلطی پر روکنے ٹوکنے کی کوئی راہ نہ ہوگی وہ کہے گا کہ تم کون ہو مجھے روکنے والے مجھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مامور کیا ہے۔ سو حکمت خداوندی یہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا بلا فصل خلیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کیا ہوا نہ ہو۔ عام صحابہ کا چنا ہوا ہو اور وہ اسے روک ٹوک سکیں ہاں دوسرا خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نامزد کردہ ہو

سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے پر نکیر کرنے والوں کو بھی نہ کہہ سکے گا کہ تم مجھے روکنے ٹوکنے والے کون ہو اور اس سلسلہ خلافت میں ایک نہیں زیادہ بھی نامزد کیے جا سکتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی باہمی فیصلے سے آگے لایا جا سکے گا۔

حالات ہنگامی ہوں اور باقاعدہ شوریٰ قائم کرنے کا موقع نہ ہو تو اس صورت میں ہنگامی طور پر بھی کسی کو آگے کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو اس وقت خلافت کے لیے کھینچا گیا جب وہ اپنا ہاتھ بیعت لینے سے روک رہے تھے۔

اس وقت موضوع خلافت نہیں یہ ایک ضمنی بات تھی جو سامنے آ گئی۔ حضرت مولانا بدر عالم مدنی حدیث قرطاس میں یہ فرما رہے ہیں کہ جب اللہ رب العزت کو ہی بلافصل خلافت کے لیے کسی کی نامزدگی منظور نہ تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قلم و کاغذ طلب فرمایا عام لوگوں کی مختلف آراء اٹھیں اور ایک ہنگامہ سا ہو گیا یہاں تک کہ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع فرمایا کہ مسلمانوں کا نظام حکومت ان کے اپنے انتخاب سے قائم ہو گا۔ تدبیر کو صرف اس وقت تک چلنا چاہیے جب تک تقدیر کا نقش سامنے نہ آئے دیوبند کے زبدۃ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اگر کہیں یہ کتاب قید کتابت میں آ جاتی تو ممکن تھا کہ امت کی امت لَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ سے نکل کر اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ کے نیچے داخل ہو جاتی مگر آخر کار تقدیر غالب آئی اور ایسے حالات رونما ہو گئے کہ یہ تحریر وجود میں نہ آ سکی۔

آگے حضرت مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ یہ سرخی باندھ کر لکھتے ہیں:

''تقدیر انبیاء کرام کی تمناؤں کا ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی''

ایک مرتبہ آپ نے ارادہ کر لیا تھا کہ شب قدر کا صاف صاف علم بتا دیا جائے مگر مسجد نبوی میں کچھ شور برپا ہو گیا۔ آخر وہ علم بھی اسی طرح مستور رہ گیا۔ یہاں بھی (قرطاس طلب کرنے میں) کچھ قصد مبارک تھا کہ لاؤ (قلم و قرطاس) کوئی ایسی بات بتلا دی جائے کہ آئندہ تفرقہ کا اندیشہ ہی نہ رہے مگر یہاں بھی کچھ شور ہو گیا آخر کار وہ نوشتہ جوں کا توں رہ گیا۔ عالم تقدیر و تکوین کا یہ تماشا بھی قابل دید ہے کہ اگر عالم تدبیر نے کبھی وحدت و اجتماع کے لیے زور لگایا بھی تو اسی وقت پردہ غیب کے کسی اندرونی ہاتھ نے اس کا سارا کھیل بکھیڑا کر دیا۔ یہاں پہنچ کر قلم بھی خاموش ہو جاتا ہے۔

قلم اینجا رسید و سر بشکست

ترجمہ: قلم اس جگہ پہنچا اور اس نے سر پٹخ دیا۔ (ترجمان السنۃ جلد اول ص ۹۰)

## تقدیر اسباب کے پردہ میں نمایاں ہوتی ہے؟

خیر وشر دو متضاد قوتیں ہیں جب ایک ابھرے گی تو دوسری مغلوب ہو جائے گی۔ قدرت خود انہیں زیر وزبر کیا کرتی ہے۔ بندۂ اسباب یہاں شکست وفتح کی دھن میں لگا رہتا ہے وہاں یہ منظور ہی نہیں کہ میدان کسی فریق کے بھی یکطرفہ ہاتھ آجائے اس لیے شکست وفتح کا ڈول باری باری کھنچتا ہی رہتا ہے اور یہ بازی اس وقت تک برابر کھیلی جائے گی جب تک کہ عالم اختلاف کو آباد رکھنا ہے۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ.... الآية

گویا نظام قدرت کی طرح یہ بھی اس کا ایک نظام ہے کہ وہ صوامع وبیع ومساجد کے اختلاف کو بساط عالم پر سجائے رکھے اور اگر کوئی طاقت اس کے برخلاف ابھرے تو اس کے مقابلہ کے لیے خود سامنے آکر ان کو ایسے حدود پر روک دے جس کے بعد کسی کے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہونے لگے۔ اس اختلاف کی آبادی کے لیے دنیا مشغول جنگ رہتی ہے۔ دنیا کہتی ہے کہ جنگ اسباب موت میں سے ہے۔ قدرت کہتی ہے کہ اسباب بقا یہی ہے۔ ہاں اگر قدرت کا ہاتھ نہ ہوتا تو اب تک ایک پارٹی نے غلبہ پاکر دوسری کو فنا کر دیا ہوتا اور چونکہ عالم اختلاف کی فطرت کے خلاف اس کو جینے کا حق نہیں ہے۔ اس لیے اسے بھی فنا ہونا پڑتا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ عالم تشریع وعالم تقدیر کے مابین ہمیشہ مطابقت ضروری نہیں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام برادرانِ یوسف علیہ السلام کو چشم زخم نہ لگنے کی تدابیر کیے جائیں گے مگر تقدیر نے جس کے مقدر میں جیل خانہ لکھ دیا ہے وہ جیل جا کر رہے گا۔ (ترجمان السنہ جلد 1، ص 86)

حدیث میں پوری وضاحت ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام لکھوانا چاہتے تھے۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلے پر مطلع ہوئے تو آپ نے وصیت تحریر کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یہی چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت لکھوانے کی تکلیف نہ دو آپ انتظامی امور کی جو وصیتیں کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ارشاد فرما دیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین باتوں کی وصیت کی جو حدیث اور تاریخ کی تقریباً ہر کتاب میں مذکور ہیں آپ نے ان میں پہلی دو تو بڑی وضاحت سے بیان کر دیں۔ اور تیسری کے بارے بس ایک ہی بات کہی کہ میرے قبر کو عبادت گاہ نہ بنالینا۔ عبادت کے لائق صرف ایک ذات ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

## حدیث کی صاف صاف تشریح کے بعد اختلاف عالم تکوین کے ماتحت ہے

اس پر ہم حدیث قرطاس کی بحث ختم کرتے ہیں اور چند وہ امور ذکر کرتے ہیں جو حضرت مولانا بدرِ عالم مدنی رحمہ اللہ نے بیان فرمائے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلوں کو بصمیم قلب قبول کرنے کی ایک ایمانی تعلیم ہے۔ اس میں واقعہ قرطاس کا کوئی ذکر نہیں ہے:

الحاصل اگر "ما أنا عليه وأصحابي" کے صاف صاف بات ہونے کا آپ یہ مطلب سمجھتے تھے کہ اس فیصلہ کے بعد اختلاف کا تخم ہی دنیا سے مٹ جائے گا تو آپ نے غلط سمجھا تھا اور اگر شریعت کے سر یہ الزام رکھنا چاہتے ہیں کہ اس نے فرقہ ناجیہ کی کوئی صحیح تفسیر نہیں کی تو یہ اس سے زیادہ غلط سمجھتے ہیں۔ عالم تشریع بصائر یعنی کھلی کھلی باتیں آپ کے سامنے بیان کرتا رہے گا مگر عالم تکوین شبہات کے گرد اڑا کر اس کو تاریک و مکدر بناتا رہے گا۔ آپ سلسلہ اسباب میں راہ حق تلاش کرنے کی تگ و دو جاری رکھیے اگر آپ کا نام "الامن رحم بك" میں درج ہو چکا ہے تو جو راہ سب سے زیادہ صاف آپ کو نظر آئے گی وہ یہی "ما أنا عليه واصحابي" کی راہ ہوگی اور اگر خدانخواستہ اس فہرست میں آپ کا نام نہیں ہے۔ تو ایک تنکہ بھی آپ کو پہاڑ معلوم ہوگا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (پ۸، الانعام ۱۲۵)

ترجمہ: سو جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے کر دیتا ہے اس کے سینہ کو بے نہایت تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم تدبیر کو چھوڑ کر آپ کو تقدیر کے حوالے کرنا چاہتے ہیں بلکہ اختلاف کا مفہوم، اس کے اسباب فرقہائے منحرفہ کی شناخت پر تا مقدور بحث کر کے آخر میں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ یہاں اختلاف کے ان اسباب ظاہر کے ساتھ خاص طور پر اس کا ایک تکوینی سبب بھی ہے جس کی طرف قرآن کریم نے ولذلك خلقهم سے اشارہ فرمایا ہے اور اسی لیے اس افتراق کو دیکھ کر یہ سمجھنا غلط ہے کہ یہ حدیث کے قصور بیان کا ثمرہ ہے۔ بیان تو اتنا واضح ہے جتنا کہ ہو سکتا ہے مگر چونکہ خطاب تکلیف علیحدہ ہے اور خطاب تقدیر علیحدہ۔ اس لیے کبھی کبھی ایک صاف بات بھی چیستان بن کر رہ جاتی ہے اگر آج بھی کوئی شخص "ما أنا

علیہ واصحابی" کی راہ معلوم کرنا چاہے تو اس کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ پس اشکال یہ نہیں ہے کہ فرقہ ناجیہ مبہم ہے بلکہ یہ ہے کہ اس کے دریافت کے جو اسباب ہیں خواہش نفس اس طرف آنے ہی نہیں دیتی۔ بقول اکبر مرحوم:

اللہ کی راہیں سب ہیں کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

(ترجمان السنۃ جلد ۱، ص ۹۱)

آنحضرت ﷺ طلب قرطاس کے بعد کئی دن دنیا میں تشریف فرما رہے لیکن آپ نے پھر قلم دوات طلب نہ کی کیونکہ عالم تقدیر آپ پر کھل چکا تھا کہ مومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کی قیادت کا دم نہ بھریں گے۔ (واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم)

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک وقتی غلط گمان:

آنحضرت ﷺ کے ایام علالت سے جہاں یہ سمجھا جا رہا تھا کہ آپ اپنے سفر آخرت پر روانہ ہونے والے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے خلاف یہ گمان کیے بیٹھے تھے کہ حضور ﷺ صحت یاب ہو کر پھر ہمیں سنبھالیں گے۔ ہماری وفات آپ ﷺ سے پہلے ہوگی اور آپ کا سفر آخرت اس کے بعد ہوگا۔ آپ نے یا اور کسی نے اگر کہا أهجر رسول الله ﷺ تو یہ حضور ﷺ کے اس دنیا سے ہجرت کرنے سے استفہام انکاری تھا کہ حضور ﷺ دنیا سے نہیں جا رہے، آپ حضور سے سمجھنے کی کوشش کرو کہ آپ کیا حکم دے رہے ہیں اسے کوئی شخص آپ کی بیماری یا بڑھاپے کی بات نہ سمجھے۔

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ حضور ﷺ کی وفات پر صحابہ کا اضطراب اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک سکتہ کے عالم میں تھے۔ دیوار سے پشت لگائے بیٹھے تھے شدت غم کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ زار وقطار روتے تھے روتے روتے بے ہوش ہو گئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر جو صدمہ اور الم کا پہاڑ گرا اس کا پوچھنا ہی کیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی پریشانی میں سخت بے حواس تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور حیرانی سب سے بڑھی ہوئی تھی وہ تلوار لیے کھڑے ہو گئے اور بآواز بلند یہ کہنے لگے کہ منافقین کا گمان ہے کہ حضور پرنور انتقال کر گئے آپ ہرگز فوت نہیں ہوئے بلکہ آپ تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور

پر خدا تعالیٰ کے پاس گئے اور پھر واپس آ گئے خدا کی قسم آپ بھی اس طرح ضرور واپس آئیں گے اور منافقوں کا قلع و قمع کریں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوش میں تھے تلوار نیام سے نکالے ہوئے تھے۔ (سیرت المصطفیٰ ﷺ جلد ۳، ص ۱۷۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روحانیت ان سب سے زیادہ تیز تھی آپ کو اس وقت بنو حنیفہ میں مسیلمہ کذاب کے اٹھتے ہوئے دھوئیں اور منکرین زکوٰۃ کی بغاوت کی اٹھتی لہریں نظر آ رہی تھیں اور وہ اس یقین پر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین کا قلع و قمع کیے بغیر ہمیں نہ چھوڑیں گے۔ یہ وہ شدید احساس لطیف تھا جس کی وجہ سے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین نہ ہو رہا تھا وہ سمجھتے تھے کہ اتنے فتنوں کے گھنے سیاہ دعوٰی سے نپٹنا اس امت سے نہ ہو سکے گا اس کے لیے نبوت کی ہمت چاہیے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو ان تمام فتنوں کا سامنا کیا اور پھر ان کے مقابل کامیابی پائی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا قام فی الردۃ مقام الانبیاء کہ آپ نے وہ کام کر دکھایا جسے بجا طور پر کار نبوت کہا جا سکتا ہے۔

کچھ بھی ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس وقت کی بے چینی اور وارفتگی بلا وجہ نہ تھی۔ سو اگر انہوں نے طلب قرطاس کے وقت کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر نہیں جا رہے نہ آپ کے اس احساس کو تم بیماری کا یا بڑھاپے کا اثر سمجھو۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حضور ﷺ نے طلب قرطاس کے وقت الفاظ کیا تھے؟ آپ نے فرمایا تھا:

أكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده میں وہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو۔

بالکل اس پیرائے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ النساء کے آخر میں فرمایا:

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (پ ۶، النساء ۱۷۶)

ترجمہ: بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تا کہ تم گمراہ نہ ہو پاؤ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کریم نے آئندہ گمراہی سے بچنے کا سامان فرما دیا ہے آئندہ جو حالات بھی پیش آئیں وہ ان سے پوری طرح واقف ہے اس میں یقین دلایا گیا کہ قرآن کریم میں آئندہ گمراہی سے بچنے کا سامان کر دیا گیا ہے اب آخری وقت میں آپ انہی الفاظ سے طلب قرطاس فرما رہے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا حسبنا کتاب اللہ قرآن کریم پر اپنے پورے یقین کے اظہار کے لیے تھا سو یہ بات کہ آپ سے زبانی سمجھ لو کہ آپ کیا ہدایت دے رہے ہیں۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نہیں ہو سکتی۔ یہ بات تو آپ پورے یقین سے کہہ رہے تھے کہ حضور ﷺ اپنے آخری وقت میں نہیں ہیں لیکن یہ

بات کہ حضور ﷺ سے تم اس بات کو سمجھ لو (استفهموه) حضرت عمر کی طرف سے نہیں ہو سکتی) یہ حسبنا کتاب اللہ سے لگا نہیں کھاتی۔

جن لوگوں نے اسے حضرت عمر کا مقولہ سمجھ لیا ہے شاید اس وقت ان کی نظر سورہ النساء کی مذکورہ آیت پر نہ گئی ہو اور وہ حسبنا کتاب اللہ کو قرآن کریم کی روشنی میں کہی بات نہ سمجھ پائے ہوں۔

تاہم جس نے بھی یہ کہا استفهموه اس نے اس کے ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بیان کر دی۔ قد غلب علیه الوجع تو قلم کاغذ پیش نہ کرنے کی وجہ بھی سامنے آ گئی۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ یقین کیسے تھا کہ آپ کا آخری وقت نہیں ہے:

حضور ﷺ پر پہلے بھی نزول وحی کے وقت کبھی ایسی صورت پیش آ جاتی تھی کہ دنیوی پہلو سے آپ کے حواس تعطل میں آ جاتے سو آپ نے سمجھا کہ اب جو آپ کے حواس میں تعطل واقع ہوا ہے۔ یہ موت نہیں ہے۔

دوسرا آپ کا اجتہاد یہ تھا کہ جن نئے فتنوں کا دھواں اٹھ رہا ہے۔ ان کے قلع قمع کیے بغیر حضور ﷺ کی وفات نہیں ہو گی اس نازک وقت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس یقین پر تھے کہ آپ کی وفات واقع ہو گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس یقین پر تھے کہ پیش آمدہ صورت آپ کی موت نہیں ہے سو اس وقت ان دونوں حضرات میں یہ اختلافِ رائے اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں آپس میں کوئی ملی بھگت کا تعلق نہ تھا۔ دونوں بزرگ اپنی اپنی ذہانت میں پورے امین، ایمان دار اور اصحاب نظر و فکر میں سے تھے۔ ان کا آپس میں تعلق کسی سازش کے طور پر ہوتا جیسا کہ شیعہ سمجھتے ہیں تو اس نازک وقت میں یہ صورت حال واقع نہ ہوتی۔

## حضور ﷺ کی وفات کی خبر پر صحابہ کے اپنے اپنے احساسات:

دیوبند کے شیخ التفسیر اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اپنی کتاب سیرۃ المصطفیٰ میں اس صورت حال کا جو نقشہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اضطراب کے عنوان سے پیش کیا ہے ہم اسے پہلے بیان کر آئے ہیں:

> اس خبر کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ گویا قیامت آ گئی سنتے ہی صحابہ کے ہوش اُڑ گئے۔ تمام مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا۔ جو اس جانگداز واقعہ کو سنتا تھا ششدر اور حیران رہ جاتا تھا۔ ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک سکتہ کے عالم میں تھے۔ دیوار سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ شدت غم کی وجہ سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ زار و قطار روتے تھے روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات پر جو صدمہ اور الم کا

پہاڑ گرا اس کا پوچھنا ہی کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی پریشانی میں سخت بے حواس تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور حیرانی سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باآواز بلند یہ کہنے لگے کہ منافقین کا گمان ہے کہ حضور پرنور انتقال کر گئے آپ ہرگز نہیں مرے بلکہ آپ تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر خدا تعالیٰ کے پاس گئے اور پھر واپس آگئے خدا کی قسم! آپ بھی اسی طرح ضرور واپس آئیں گے اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے۔ (سیرت المصطفیٰ طبع جدید جلد ۲، ص ۲۹۳)

اب اس صورت حال میں کیا کوئی عقلمند یہ گمان کر سکتا ہے کہ آپ کی وفات پر اکابر صحابہ کو اپنی خلافت کی فکر پڑی رہی اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غدیر خم کے اعلان خلافت من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے خلاف حضور کی خلافت بلافصل پر آنے نہ دیا نہ سلطنت کا انہیں قبضہ دیا۔

آپ اسے سمجھنے کی کوشش کرو اور آپ کو لکھنے کی تکلیف نہ دو جو لکھنے کا کام تھا وہ پہلے سے تکمیل پائے ہوئے ہے۔

ہم نے اپنی بساط کے مطابق حدیثِ قرطاس کے یہ چند مباحث ہدیہ قارئین کئے ہیں۔ تاہم اس فن میں حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ امام اہلِ سنت ہیں۔ نامناسب نہ ہوگا کہ اس عنوان پر ان کا قولِ فیصل بھی قارئین کے سامنے آجائے۔ کوزے میں سمندر کی مثال ان کے اس مضمون پر صادق آتی ہے۔ اسے اس عنوان سے ملاحظہ فرمائیں:

## قصہ قرطاس اور اس کی حقیقت

اس قصہ کی اصلیت صرف اتنی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں وفات سے ۵ دن پہلے یعنی پنجشنبہ کے دن فرمایا کہ قرطاس یعنی کاغذ لاؤ تو میں ایک تحریر لکھ دوں اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بیماری کی تکلیف زیادہ ہے اور یہ بھی کہ کتاب اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہوئی کہ لکھوا لینا چاہیے۔ اس اثنا میں بعض لوگوں نے جن کا نام کسی روایت میں مذکور نہیں کہا کہ أهجر رسول الله صلى الله عليه وسلم استفهموه یعنی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا وقت آگیا؟ آپ سے پوچھو تو! اس کے بعد نہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریر کے لکھوانے کا قطعی حکم دیا نہ کسی اور وقت اس تحریر کے لکھوانے کو فرمایا جبکہ اس کے بعد پانچ دن آپ اس عالم میں رونق افروز رہے۔

قصہ تو اسی قدر ہے جو اوپر بیان ہوا مگر شیعوں نے بڑی بے باکی کے ساتھ اس قصہ میں ۱۳ اعتراض امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر کیے ہیں:

اول یہ کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ یہ شخص ہذیان بکتا ہے۔ لفظ ھجر کو شیعوں نے جدائی کے معنوں میں نہیں لیا بلکہ اس کے معنی ہذیان بکنے کے مراد لیے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ گستاخی شان رسالت میں اور کیا ہوسکتی ہے۔

دوم یہ ایک ایسی ضروری تحریر جس کے بعد گمراہی کا اندیشہ باقی نہ رہتا انہوں نے لکھنے نہ دی۔ رسول کی نافرمانی بھی ہوئی اور تمام مسلمانوں کا سخت نقصان بھی ہوا۔

سوم یہ کہ انہوں نے یہ کہا کتاب اللہ ہمارے لئے کافی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ سنت رسول کی ہم کو ضرورت نہیں، سنت نبوی کو غیر ضروری قرار دینا بھی کوئی معمولی توہین نہیں ہے۔

شیعوں کو اپنے ان تین اعتراضات پر بڑا ناز ہے اور صراحۃً واشارۃً اس قصہ کے بیان کرنے میں انہیں ایسی لذت ملتی ہے کہ ان کے شاعروں نے اپنی غزلیات وغیرہ میں اس کا ذکر کیا ہے ایک شاعر ان کا کہتا ہے:

خط مجھے لکھتے ہیں وہ لکھنے نہیں دیتے رقیب
ماجرا یہ بھی کم از قصہ قرطاس نہیں

شیعوں کے ان تینوں اعتراضوں کا جواب جو کچھ النجم میں دیا گیا اور اس کا جو جواب الجواب سہیل میں شائع ہوا پھر اس کا رد النجم میں کیا گیا اس کو دیکھ کر عبرت ہوتی ہے کہ واقعی جب کسی کے دل پر مہر لگ جاتی ہے تو کیسی ہی روشن دلیل اس کے سامنے پیش کی جائے اس کی سمجھ میں نہیں آتی اور اگر سمجھ میں آجائے تو بھی وہ اس کو قبول نہیں کرتا۔

بہر کیف اب ترتیب وار پھر ان تینوں اعتراضوں کا جواب پیش کیا جاتا ہے جو ان شاء اللہ صرف مسکت ہی نہیں بلکہ سعید طبائع کے لیے ایسا تسلی بخش ہے کہ پھر کوئی خلجان باقی نہیں رہتا۔

جواب سے پہلے ایک بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہمارے جواب کی بنا اس قصہ قرطاس کو جیسا کہ روایات میں مذکور ہے مان لینے پر ہے ورنہ محققین کو قصہ کے صحیح ہونے میں درایۃً بھی کچھ کلام ہے۔

اہل سنت کی کتابوں میں اس قصہ کا راوی سوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کوئی نہیں۔ طبقہ صحابہ میں ان کے سوا کوئی اس قصہ کو روایت نہیں کرتا یہ بھی کچھ کم عجیب بات نہیں ہے۔ اب جواب ملاحظہ کریں۔

## اعتراض اول کا جواب

اس اعتراض کے جواب میں تین باتیں النجم میں لکھی گئی تھیں:

اوّل یہ کہ ھجر یا یھجر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں ہے۔ ایک روایت بھی کتب اہل سنت سے پیش نہیں کی جاسکتی جس میں اس لفظ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا گیا ہو بلکہ روایات میں

قالوا أهجر بصیغہ جمع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ کسی شخص واحد کا قول نہ تھا۔ قالوا جمع کا صیغہ ہے۔

دوم یہ کہ لفظ هجر یا یهجر، هجر سے مشتق ہے جس کے معنی صرف ہذیان کے نہیں بلکہ یہ لفظ جدائی کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہی معنی زیادہ مشہور و متبادر ہیں۔ یہ لفظ اردو شاعری میں بھی مستعمل ہے اور ہجر و وصال لفظ بکثرت شعراء استعمال کرتے ہیں اور حدیث قرطاس میں جدائی کے معنی چسپاں بھی ہوتے ہیں، ہذیان کے معنی کسی طرح نہیں بنتے۔

اولاً: اس وجہ سے کہ ہذیان کا شبہ اس بات پر ہوتا ہے جو خلاف عقل ہو مگر یہاں کوئی بات خلاف عقل نہیں ہے۔ ایک پیغمبر اپنے آخری وقت میں فرماتا ہے کہ کاغذ لاؤ میں ہدایت نامہ لکھوا دوں اس پر کیا چیز خلاف عقل ہے جس پر ہذیان کا شبہ کیا جا سکے، کچھ نہیں۔

ثانیاً: اس قسم کی روایات میں هجر کے بعد استفهموه کا لفظ بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ سے پوچھو! اگر هجر کے معنی ہذیان کے لیے جائیں تو استفهموه بالکل بے ربط ہو جاتا ہے جس کو ہذیان ہو گیا ہے اس سے پوچھنا بالکل حماقت ہے۔

اب دیکھو جدائی کے معنی کس خوبی کے ساتھ بن جاتے ہیں۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت مرض کی حالت میں یہ ہدایت نامہ لکھوانے کو فرمایا تو صحابہ کرام کے قلوب پر ایک بجلی سی گر گئی کہ شاید وہ قیامت کی گھڑی آ گئی:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

کیونکہ ایسی تحریر آخری وقت ہی لکھوائی جاتی ہے لہذا اب انہوں نے کہا أهجر استفهموه یعنی کیا حضرت جدا ہو رہے ہیں؟ آپ سے پوچھو تو! محبت کی باتیں وہ لوگ کیا سمجھ سکتے ہیں جن کے دل بغض و عداوت کے سوا کسی چیز سے آشنا ہی نہیں۔

چو دل بہ مہر نگارے نہ بستہ اے ماہ
ترا ز سوز درون و نیاز ما چہ خبر

هجر کے معنی جدائی کے شراح حدیث نے اس حدیث کی شرح میں اور علماء لغت نے لغت کی کتابوں میں بیان بھی کیے ہیں۔ چنانچہ حافظ الحدیث شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

ويحتمل أن يكون قوله أهجر فعلا ماضيا من الهجر بفتح الهاء وسكون الجيم والمفعول محذوف أي الحياة وذكره بلفظ الماضي مبالغة لما رأى

من علامات الموت (فتح الباری ج 8، ص 133)

اور علامہ محمد طاہر گجراتی رحمہ اللہ مجمع بحار الانوار میں جو خاص حدیث کی لغت ہے لکھتے ہیں:

ویحتمل أن معناہ ھجر کم رسول اللہ ﷺ من الھجر ضد الوصل.

(مجمع بحار الانوار ج 5، ص 137)

(قصہ قرطاس کا کفر شکن فیصلہ۔ صفحہ ۲۵ از امام اہلسنت مولانا عبد الشکور فاروقی رحمہ اللہ)

ہم حضرت امام اہلسنت سے اتنی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ آگے یہ کتاب صفحہ ۵۴ تک چلی گئی ہے۔ مزید تحقیق کے طالب اسے اصل کتاب سے مطالعہ فرمائیں۔ جزی اللہ المؤلف أحسن الجزاء وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے درسِ صحیح بخاری میں کتاب العلم میں ضمناً واقعہ قرطاس پر ایک بڑا ایمان افروز بیان دیا ہے۔ دوازدہ حدیث میں امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے محققانہ مضمون کے بعد اس پر مزید معرکہ آرائی کی ضرورت نہیں رہتی تاہم کتاب العلم میں محدثانہ نقطہ نظر سے علم لکھا جانے کی اہمیت پر فیض الباری اردو شرح صحیح بخاری کا یہ مضمون اپنی شوکت علمی میں اپنی مثال آپ ہے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ قارئین دوازدہ حدیث میں اس کی چاشنی سے بھی لذت اندوز ہوں کیونکہ یہ مضمون شیعوں کے خلاف نہیں لکھا گیا، وہ خواہ مخواہ اس میں پس جائیں تو اسے بھی قارئین کرام مشیت ایزدی سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر جب اشتدادِ مرض ہوا تو ارشاد فرمایا کہ میرے پاس سامانِ کتابت لاؤ میں تمہارے لئے ایک کتاب لکھ دوں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ یہ بیماری کی شدت یوم خمیس (جمعرات) کو ہوئی اور وصال کئی دن بعد پیر کو ہوا۔ صحیح مسلم کی روایت میں شانہ کی ہڈی اور دوات کی تصریح ہے۔ اس زمانہ میں شانہ کی ہڈی پر کتابت کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیماری کی شدت دیکھ کر کہا کہ ایسے وقت مناسب نہیں کہ حضور ﷺ کو مزید تکلیف دی جائے۔ بیماری کے زور اور دباؤ کی وجہ سے اگر تحریر نہ بھی لکھی گئی تو ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو ہمیں کافی ہے۔

فخرج ابن عباس ابنِ عباس رضی اللہ عنہ (نے جب یہ حدیث روایت کی تو یوں) کہتے ہوئے نکلے، ہائے مصیبت وائے مصیبت! جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کتاب نہ لکھوانے دی۔ اس کا یہ مطلب

نہیں کہ جب واقعہ ہوا تھا اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے حضور ﷺ کے دولت خانہ سے برآمد ہوئے۔ اس وقت تو ابن عباس رضی اللہ عنہ بہت کم سن تھے۔ صحیح مطلب اس کا یہ ہے کہ مدتوں بعد ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو بیان کر کے حسرت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے اپنے مقام سے باہر نکلے۔

## واقعہ قرطاس کی اصل حقیقت

اس واقعہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے اولاً ایک مثال سمجھ لو مثلاً کوئی استاذ بیمار ہے مگر طلبہ پر غایت عنایت وشفقت کی وجہ سے باوجود شدید تکلیف اور بیماری کے طلبہ کو کہتا ہے کہ کتاب لاؤ سبق پڑھاؤں تا تمہارا حرج نہ ہو۔ کچھ طلبہ اس میں قولاً ورأیاً مزاحم ہوتے ہیں کہ نہیں! حضرت کی طبیعت خراب ہے سبق پڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ آپ کو تندرست کردے ورنہ جو کچھ چار حرف ہم نے آپ سے پڑھ لئے ہیں اور آپ کی کفش برداری سے جہاں تک سمجھ لیا ہے وہی ان شاء اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ کچھ طلبہ یہ خیال کرتے ہیں کہ امتثال امر کیا جائے مبادا حضرت انکار سے ناخوش ہوجائیں۔ اس بحث میں آوازیں بلند ہوجاتی ہیں۔ یہ بحث وتکرار کرتے جاتے ہیں اور استاذ کے حکم کی تعمیل میں کتاب کوئی نہیں لاتا۔ تو کیا ان میں سے کسی جماعت کو بھی گستاخ، متمرد اور نافرمان کہا جائے گا یا کتاب لانے سے ان کا یہ گریز غایت محبت کی علامت سمجھی جائے گی؟

نظیر اس کی دیکھ لو واقعہ حدیبیہ میں صلح حدیبیہ میں جب مِنْ محمد رسول اللہ لکھا گیا تو قریش لفظ رسول اللہ پر مزاحم ہوئے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امر فرمایا: اُمحه (اس کو مٹادو) یہ صریح امر تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ مشافہۃً اس کو سن رہے تھے۔ جو ان کے حق میں بالکل قطعی مثل کتاب اللہ کے تھا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل نہیں کیا بلکہ کہا: لا واللہ لا اُمحه ابدا بخدا میں اس کو ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ اس قسم کے تاکیدی الفاظ سے انکار کردیا پھر حضور ﷺ نے خود اس کو اپنے دست مبارک سے مٹادیا۔ کیا معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گستاخ کہو گے کہ حضرت کا حکم نہیں مانا۔

پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض کیوں نہیں ہوئے اور علی رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کیوں نہیں فرمائی۔ یہ تو بظاہر بہت ہی سخت چیز تھی۔ کہا جائے گا کہ یہ نہ ماننا ہی غایت محبت کی علامت تھی۔ جس کا منشا وفورِ تعظیم اور افراط ادب کے سوا کچھ نہ تھا۔ دوسری بات یہ سمجھو کہ اس حکم کے مخاطب فقط حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی تو نہ تھے بلکہ سب اہلِ بیت تھے۔ اور یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے تو سب شور وغل کرتے رہے مگر کوئی کاغذ کیوں نہ لایا۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سب کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ ان میں

کوئی ایک بھی ایسا نہ نکلا جو قلم دوات لے آتا۔ اگر کہو کہ کاغذ عمر رضی اللہ عنہ کے ڈر سے نہیں لائے تو تم تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیر خدا مانتے ہو اور اس قدر شجاعانہ ان کے کارنامے بیان کرتے ہو۔ اتنے بڑے بہادر اور وقت میں بھی وہ ایسے ہی تھے تنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس طرح کیوں ڈر گئے؟

مسند احمد کی روایت میں خاص کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا ذکر ہے کہ ان کو حکم فرمایا تھا کاغذ قلم لانے کا اور عموماً ایسی خدمات کے اول مخاطب گھر والے ہی ہوتے ہیں تو وہ کیوں نہ لائے پس اگر یہ جرم ہے تو صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی مجرم نہیں کم وبیش سب ہی اس جرم میں شریک ہوئے۔ خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ضرور ہوں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں سکوت فرمایا؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقط حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے کی بنا پر ایسے اہم تبلیغی فرائض سے رک سکتے ہیں حالاں کہ آپ کا تو وہ حال تھا جو سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ سرداران قریش نے ابو طالب کے پاس آکر کہا کہ تم اپنے بھتیجے سے پوچھو اگر وہ مال کی خواہش رکھتا ہے تو چندہ کر کے جتنا مال چاہے ہم اس کو جمع کر دیں۔ اور اگر سرداری وحکومت کی خواہش ہے تو ہم سب اس کی سرداری تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر کوئی خوبصورت عورت چاہیے تو وہ بھی ہم پیش کر دیں گے مگر وہ اپنی ان باتوں سے باز آجائے۔ ابو طالب نے جب یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس اللہ کی جس نے محمد کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اگر سورج کو لا کر میری ایک مٹھی میں اور چاند کو دوسری مٹھی میں دے دیں تب بھی محمد اس چیز سے ہٹنے والا نہیں جس کے لئے اللہ نے اس کو بھیجا ہے تا آں کہ اپنا کام پورا کر دوں یا اسی راستہ سے گذر جاؤں ؎

یا جاں رسد بجاناں
یا جان زتن برآید

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی میری حمایت سے اکتا گئے ہیں۔ آپ کی تو یہ حالت تھی آپ سے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ایسے تبلیغی فرائض سے رک جاتے۔ پھر سوچنے کا موقع ہے کہ ایک نہیں دو نہیں چار روز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اگر کوئی ضروری بات ہوتی تو بعد میں کیوں نہ بیان فرماتے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی ضروری بات ہو جس کے ترک سے امت گمراہ ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو محض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ یہ سب نامعقول اور واہیات باتیں ہیں۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ رائے کی کوئی چیز تھی وحی نے اس کو ضروری قرار نہ دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال مبارک میں اس وقت کوئی بات آئی۔ لوگوں کے اختلاف رائے اور تنازع کی وجہ سے اس پر عمل پیرا نہ

ہوئے۔شاید پھر خود ہی تسامح ہوا ہو کہ اس کی چنداں ضرورت نہیں۔اس لئے دوبارہ اس کی تحریک نہ فرمائی۔اصل چیز اتنی ہی ہے۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے اسی مرض میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ بلا لے اپنے بھائی اور باپ کو تا کہ امر (خلافت) کے متعلق کچھ لکھ دوں بعد میں آپ ﷺ خود ہی اس سے رک گئے اور فرمایا:

یأبی اللہ ویأبی المسلمون الا ابابکر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا ہر ایک کی خلافت کا انکار کردیں گے۔

تو ممکن ہے واقعہ قرطاس میں بھی بعد میں آپ کی رائے عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہوگئی ہو کہ اس تحریر کی چنداں ضرورت نہیں جس کے لئے اس شدتِ مرض میں مؤمنین کے اختلاف رائے اور تنازع کے باوجود اس قدر تکلیف گوارا کی جائے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس طویل حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

اذھب بنعلیّ ھاتین فمن لقیت من وراء ھذا الحائط یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ فبشرہ بالجنۃ (صحیح مسلم ج1، ص45)

میرے دونوں جوتے (نشانی کے طور پر) لے جاؤ اور جو شخص تمہیں اس باغ کے باہر ملے اور دل کے یقین کے ساتھ اس امر کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسے جنت کی بشارت دے دو۔

چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس فرمانِ مبارک کے مطابق چلے اور راستہ میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا:

ما ھاتان النعلان یا أباھریرۃ؟ ابو ہریرہ! یہ جوتیاں کیسی ہیں؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین ہیں حضور ﷺ نے یہ دے کر مجھے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کو یہ بشارت سنا دوں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایسے زور سے روکا اور ہاتھ سینہ پر مارا کہ سرین کے بل گر پڑے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واپس لوٹے اور آبدیدہ ہو کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔حضور ﷺ نے حال پوچھا تو سب واقعہ بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ یہ کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ساتھ وہاں حاضر ہوگئے۔حضور ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا: آپ نے اس قسم کی بشارت دے کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

فلا تفعل فانی أخشی أن یتکل الناس فخلھم یعملون قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخلھم (مسلم۔ باب الدلیل علی من مات علی التوحید)

(میرے باپ آپ ﷺ پر قربان) ایسا نہ کیجئے۔ مجھے ڈر ہے کہ لوگ اس پر تکیہ کر بیٹھیں گے ان کو چھوڑ دیجئے عمل کریں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اچھا تو چھوڑ دو عمل کرنے دو۔

تو دیکھو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جارہے تھے مگر عمر رضی اللہ عنہ نے روکا اور اس شدت سے روکا پھر نتیجہ کیا ہوا بجائے اس کے کہ حضور ﷺ عمر رضی اللہ عنہ پر خفا ہوتے ان کی رائے کی موافقت فرمائی۔

ایک نکتہ اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس آخری علالت میں لدود کا واقعہ بھی پیش آیا تھا۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ آپ کو ذات الجنب ہوا ہے اور اس میں لدود کیا جاتا ہے (منہ کے ایک کنارے سے دوا استعمال کرنے کو لدود کہتے ہیں) اس لئے آپ نے منع فرمادیا کہ مجھے لدود مت کرو اور متنبہ فرمادیا کہ مجھے ذات الجنب نہیں ہے۔ مگر گھر والے اپنے ارادے سے نہ رکے اور کہنے لگے آپ کا اس سے منع کرنا کراھیۃ المریض للدواء کے قبیل سے ہے یہ طے کر کے لدود کیا۔ یہ چیز آپ کو ناگوار ہوئی اور سب کو سزا دی کہ جتنے آدمی اس وقت گھر میں تھے سب کو لدود کرایا کیوں کہ انبیاء کو اوامر ونواہی کی پرواہ نہ کرنا اور اس سے بے اعتنائی اور تساہل برت کے محض فرضی خیالات وتخمینات مثلاً کراھیۃ المریض للدواء کی بناء پر لدود کرنا مناسب نہ تھا لہذا تادیباً وتنبیہاً عقوبت اور سزا دی گئی۔ حالانکہ لدود کا واقعہ قرطاس کے واقعہ سے بظاہر بہت کم اہم ہے۔ لدود کا واقعہ تو بظاہر صرف آپ کی ذات سے متعلق تھا اور واقعہ قرطاس ساری امت کی ہدایت وضلالت سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر اس پر نہ سزا دی اور نہ کوئی تادیبی کارروائی فرمائی، صرف وہاں سے سب کو اٹھا دیا کیونکہ مریض کے پاس شور وغل ہونے سے طبعاً گھبراہٹ ہوتی ہے۔ پھر رائے خواہ کسی کی صحیح ہو یا غلط نبی کے پاس بیٹھ کر اس کے امر کے متعلق آپس میں جھگڑنا نازیبا ہے۔ معلوم ہوا آپ فریقین میں سے کسی کی رائے سے ناراض نہیں تھے ورنہ سزا دیتے یا تنبیہ بلیغ فرماتے یا کم از کم دوبارہ تاکیدی حکم فرماتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ڈانٹ دیتے۔ معاذ اللہ آپ ﷺ تو عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرتے نہیں تھے۔ البتہ اس وقت شور اور تنازع کی وجہ سے وقتی طور پر کچھ متاثر ہوئے اور اس پر ایک درجہ میں کچھ ناگواری فرمائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ضلال کے معنی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان کتابت طلب فرمانے کے ساتھ جو ارشاد فرمایا لا تضلوا بعدہ بظاہر یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ حضور ﷺ کوئی ایسی چیز تحریر کرانا چاہتے تھے جو مستقبل میں دینی

ضلالت و بے راہی سے محفوظ و مصوؤن رکھتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی چیز لکھوانا چاہتے تھے جو مہمات دین میں سے تھی۔ لغت عرب میں لفظ ضلال کا استعمال دینی گمراہی کے معنی تک محدود نہیں ہے۔ لغت عرب کے علاوہ قرآن حکیم میں بھی اس کے استعمال میں وسعت ہے کہیں دینی بے تدبیری کے معنی میں مستعمل ہے اور کہیں اس کے معنی دنیوی مسائل میں بے تدبیری کے ہیں۔ مثلاً یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کی نسبت اپنے نورِ فراست یا الہام ربانی سے سمجھ چکے تھے کہ ان کا مستقبل نہایت درخشاں ہے اور نبوت کا خاندانی سلسلہ ان کی ذات سے وابستہ ہونے والا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے کمالات ظاہری و باطنی پدرِ بزرگوار کی خصوصی محبت کو اپنی طرف جذب کرتے تھے۔ دوسرے بھائیوں کو یہ چیز ناگوار تھی وہ کہتے تھے کہ وقت پر کام آنے والے تو ہم ہیں ہمارا طاقتور جتھا ہے جو باپ کی ضعیفی میں کام آسکتا ہے۔ قرآن حکیم میں پدرِ بزگوار کے متعلق ان کے خیالات کا ذکر اس طرح ہے:

اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ (پ۱۲، یوسف۸)

بلاشبہ ہمارے والد صریح خطا پر ہیں

یعنی دنیوی نقطہ نظر سے اپنے نفع اور نقصان کا صحیح موازنہ نہیں کرتے اور بے تدبیری کی وجہ سے سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی کافر نہ تھے ایک پیغمبر کے متعلق دینی گمراہی کا فتویٰ تو کجا اس کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے تو ہدایت خلق اللہ کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا، اندر ہی اندر جوش مارتا تھا لیکن کوئی خاص کھلا ہوا راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا چنانچہ قرآن نازل فرما کر اصلاحِ خلق کی تفصیلی راہیں کھول دی گئیں۔ اسی لئے فرمایا:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (پ۳۰، والضحیٰ ۷)

ترجمہ: اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتلایا۔

یہاں ضلال کا لفظ معاذ اللہ دینی گمراہی کے معنی میں نہیں بلکہ ناواقفیت کے معنی میں ہے۔ یعنی آپ کو ہدایت خلق کے لئے مفصل راستہ اور مفصل دستور العمل سے ناواقف پایا اور واقف کار بنا دیا۔ اب واضح ہوگیا کہ لا یضل بعدہ میں ضلال کو دینی گمراہی و بے تدبیری کے معنی میں لے کر یہ استدلال کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی خلافت تمام گمراہیوں اور ضلالتوں کا حتمی سدِ باب تھی درست نہیں۔

لفظ ضلال کفر، گمراہی، دینی اور دنیوی بے تدبیری کے علاوہ قرآن حکیم میں مختلف مواقع پر مختلف معنوں میں آتا ہے مثلاً:

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (پ ۲۴، المؤمن ۲۵)

یہاں غلط کردینے کا مفہوم لیا جائے گا کہ منکروں کی تدبیریں غلط ثابت ہوں گی۔ ایک دوسرے مقام پر یہی لفظ آیا ہے:

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (پ ۱۳، الرعد ۱۴)

ترجمہ: اور کافروں کی درخواست کرنا محض بے اثر ہے۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں لفظ ضلال لا حاصل کے معنی میں ہوگا۔ ایک اور جگہ ہے:

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (پ ۱۳، ابراہیم ۱۸)

ترجمہ: یہ بھی بڑی دور دراز کی گمراہی ہے۔

یہاں ضلال کا لفظ بے حقیقت کے معنی میں ہے یعنی جن اعمال سے انہیں نفع کی توقع تھی معرفت نہ ہونے کی وجہ سے بے حقیقت ثابت ہوں گے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

(پ ۲۰، القصص ۸۵)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے۔

یہاں لفظ ضلال سے منکرین ومعاندین کی گمراہی مراد ہوگی۔

باب کتابۃ العلم کے سلسلہ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ کتابتِ علم، حفاظتِ علم کا ایک ذریعۂ قوی، تبلیغ کے لئے نافع اور اشاعتِ علم کا سہل اور آسان طریقہ ہے۔ اس لئے امام بخاری نے چاہا کہ کتابتِ علم کو احادیث کی روشنی میں مستحسن ثابت کردیں۔ علماء امت نے علوم نبوت سے متعلق علوم کی تبلیغ واشاعت کے لئے کتابۃ العلم ہی کے طریق کو اختیار کیا جس کے نتیجے میں آج دنیا میں علمی سرمایہ باعثِ فیضان بنا ہوا ہے۔ (فضل الباری شرح صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۴۹ تا ۱۵۳)

اس پر ہم حدیث قرطاس کا مضمون ختم کرتے ہیں۔

دوازدہ احادیث میں اگلا موضوع "فضلِ معاویہ رضی اللہ عنہ وظہورِ مسرت راضیہ" ہے۔ اب ہم اسے قارئین کرام اور طلبہ حدیث کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بیان کی گئی سب حدیثیں ضعیف ہیں، صحیح نہیں۔ آیئے اب صحیح بخاری کے حوالے سے اسے مطالعہ فرمائیں۔

# (۹) حدیث فضلِ معاویہ رضی اللہ عنہ وظہورِ مسرتِ راضیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

اس حقیقت سے اب تک کسی نے انکار نہیں کیا کہ لشکر کی فتح ہمیشہ بادشاہ یا سپہ سالار کی فتح ہی سمجھی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی فتوحات مندرجہ ذیل آیت کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات ہی شمار ہوتی ہیں۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی دین ہے جو ہر دین پر غالب آیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (پ۲۶، الفتح ۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر تا کہ اوپر رکھے اس کو ہر دین سے اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا۔

اس اصول کی روشنی میں اسلام میں بحری بیڑے کی ایجاد اور سمندری فتوحات ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیش رفت سے ہوئیں۔ وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی عالمگیر فتوحات کا ایک روشن باب ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام کی جو بحری فتوحات ہوئیں ان سے چہرہ نبوت پر خوشی کی جو لہریں اٹھیں اور جس خوشی سے وہ جگمگایا اسے صحیح بخاری کی اس روایت میں ملاحظہ کریں۔

ہم اس حدیث سے شیعہ ذاکرین کے اس الحاد کی تردید کرتے ہیں جو ان کی طرف سے دن رات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغض کا لاوا اگلتے ہیں تاہم یہ امر واقع ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اولاً خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی تھی اور اپنا ایک مطالبہ آگے رکھا تھا لیکن بالآخر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے سے راضی کر لیا تھا اور اسلام میں اسی بات کا اعتبار کیا جاتا ہے جو آخری ہو۔ انما العبرة بالخواتیم

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ انصاری کی خالہ تھیں۔ اس پر سب مورخین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ان سے محرم ہونے کا تھا۔

شارح بخاری علامہ کرمانی لکھتے ہیں:

انهم اتفقوا علیٰ انها کانت محرمة لرسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ابن عبدالبر کانت احدی خالاته من الرضاعة وقال آخرون کانت خالة لابیه او لجده لان عبدالمطلب کانت امه من بنی النجار

ترجمہ: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بنت ملحان حضور ﷺ کی محرم تھیں۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں آپ رضاعت کے رشتہ سے حضور اکرم کی خالہ تھیں اور دوسرے کہتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کی خالہ آپ کے والد یا دادا عبدالمطلب کی وجہ سے تھیں۔ عبدالمطلب کی والدہ بنی نجار میں سے تھیں۔

حضور ﷺ جب ان کے ہاں کبھی آتے تو وہاں ٹھہر جاتے اور وہ حضور ﷺ کی بہت خدمت کرتی تھیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ان کے ہاں آنے اور آرام کرنے کا ایک واقعہ روایت کرتے ہیں:

فاطعمته وجعلت تفلی رأسه فنام رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم استیقظ وهو یضحك قالت فقلت ما یضحکك یا رسول الله قال اناس من امتی عرضوا علیّ غزاةً فی سبیل الله یرکبون ثبج هذا البحر ملوکاً علی الأسرة أو مثل الملوك علی الأسرة (صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۹۱)

ترجمہ: آپ حضور ﷺ کو کھانا بھی کھلاتیں آپ کا سر مبارک بھی کھجلاتی تھیں۔ حضور ایک دفعہ ان کے ہاں سوئے تھے کہ اس حالت میں بیدار ہوئے کہ آپ کے چہرہ مبارک پر ظہور مسرت تھا۔ آپ مسکرا رہے تھے حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس خوشی کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ نیند میں مجھے اپنی امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے دکھائے گئے وہ اس سمندر میں اس طرح جا رہے تھے گویا تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوں یا وہ بادشاہوں کی طرح بیٹھے تھے۔

اس امت میں سب سے پہلے شاہانہ شان سے کس نے حکومت کی؟ حضور ﷺ اور چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی حکومت درویشانہ رہی۔ یہ شاہانہ انداز میں تخت پر بیٹھے اور سمندر میں چلتے آپ کو کون دکھائی دیئے؟ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہو سکتے ہیں جنہوں نے اسلام میں بحری بیڑے میں پیش قدمی کی۔ اس پر حضور اکرم ﷺ کے چہرہ پر ظہور مسرت بتلاتا ہے کہ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس خدمت جلیلہ سے خوش تھے اور آپ کی یہ خدمت حضور ﷺ کے ہی دین کی ایک ترقی اور مسلمانوں کی ہی ایک قوت تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس شاہانہ ادا سے حضور ﷺ کے چہرہ پر کوئی بوجھ نہ تھا اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے آپ کا یہ خواب سنتے ہی گذارش کی اللہ تعالیٰ سے دعا

کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس بحری جنگ کرنے والوں میں سے کر دے اور حضور ﷺ نے انہیں خوشخبری دی اور اس کے لیے دعا کی:

ووضع رأسه ثم استيقظ وهو يضحك (صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۹۱، ۴۰۵)

فدعا لها رسول الله ﷺ

ترجمہ: آپ نے پھر اپنا سر نیند میں رکھ دیا آپ جاگے اور آپ کے چہرے پر وہی ظہور مسرت تھا اور آپ نے اپنی خالہ کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ سے پھر وہی گذارش کی جو انہوں نے حضور ﷺ سے آپ کے پہلے خواب پر کی تھی۔ اس پر حضور ﷺ نے انہیں کہا تم صرف پہلے بحری جنگوں میں اترنے والوں کے ساتھ ہوگی۔ یہ دوسرے خواب میں بحری جنگ میں نکلنے والوں کے ساتھ نہ ہونا اس لیے تھا کہ اس معرکہ کے پیش آنے سے پہلے ان کی وفات (حضرت ام حرام کی) ہو چکی ہوگی آپ نے فرمایا: انت من الاولین کہ تو پہلے لوگوں کے ساتھ ہے جو سمندر میں اس طرح جا رہے تھے جیسے تخت پر بیٹھے بادشاہ ہوں (جلد ۱، ص ۳۹۱ صحیح بخاری)

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے لیے تو بیشک ان دو معرکوں میں کچھ فرق ہوا لیکن حضور ﷺ کا اظہار مسرت ان کے دوسرے معرکہ میں نکلنے والوں کے لیے بھی اسی طرح تھا جس طرح پہلے بحری معرکہ میں نکلنے والوں کے ساتھ تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ مستقل طور پر ان لوگوں سے خوش تھے۔ جو اب شاہانہ شان سے سلطنت اسلامی کے گرد پہرہ دیں گے۔ یہ آپ ﷺ کا مستقل طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان حالات اور آپ کی ان مہمات پر راضی ہونے کا نشان تھا۔

فركبت البحر في زمان معاوية بن ابي سفيان فصرعت عن دابتها حين خرجت من البحر فهلكت (صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۹۱)

ترجمہ: آپ معاویہ بن ابی سفیان کے دور میں اس سمندری معرکہ کے لئے سوار ہوئیں پھر جب وہ ان تختوں سے نکلیں تو اپنے اونٹ سے گر پڑیں اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔

## بحری بیڑے کے شاہانہ شان کے سفروں کو آخرت کا نقشہ سمجھنا

لکھنو کے بعض علماء نے بحری بیڑے کے ان شاہانہ سفروں کو دار الجزاء کا ایک منظر سمجھا ہے۔ یہ درست نہیں۔ ساتویں صدی کے امام نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) نے اسے قیل کہہ کر ذکر کیا ہے اور اپنی تحقیق یہی بتائی ہے کہ اس بحری بیڑے کی یہ شاہانہ شان اسی دنیا کا ایک نقش ہے جو حضور اکرم ﷺ کو خواب میں

دکھلایا گیا اور اس میں کسی تردد کو راہ نہیں کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم کے باب فضل الغزو فی البحر میں لکھتے ہیں:

(قوله ﷺ كالملوك على الاسرة) قيل هو صفة لهم في الآخرة اذا دخلوا الجنة والأصح أنه صفة لهم في الدنيا أي يركبون مراكب الملوك لسعة مالهم واستقامة أمرهم و كثرة عددهم (جلد ۲، ص ۱۴۲)

ترجمہ: حضور ﷺ کا ارشاد کہ وہ اس طرح جارہے تھے جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوں اس میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کا یہ نقشہ آخرت کا ہے جب وہ جنت میں داخل ہوں گے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کی یہ شان دنیا کی ہے وہ اس طرح اپنی سواریوں میں ہوں گے جیسے بادشاہ اپنے مال کی کثرت، اپنے امر کی استقامت اور اپنی کثرت عدد میں شاہانہ شان سے جارہے ہوں۔

اور پھر آگے یہ بھی لکھتے ہیں:

وفيه فضيلة لتلك الجيوش وأنهم غزاة في سبيل الله واختلف العلماء متى جرت الغزوة التي توفيت فيها أم حرام في البحر وقد ذكر في هذه الرواية في مسلم أنها ركبت البحر في زمان معاوية فصرعت عن دابتها فهلكت. قال القاضي قال اكثر أهل السير والأخبار أن ذلك كان في خلافة عثمان ابن عفان رضي الله عنه وأن فيها ركبت أم حرام وزوجها الى قبرص فصرعت عن دابتها هناك فتوفيت ودفنت هناك وعلى هذا يكون قوله في زمان معاوية معناه في زمان غزوة في البحر لا في أيام خلافته قال وقيل بل كان ذلك في خلافته قال وهو الأظهر في دلالة قوله في زمانه... (ايضاً ص ۱۴۲)

ترجمہ: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لشکروں کی فضیلت اور ان کے اللہ کی راہ میں غازی بن کر نکلنے کی شان دکھائی گئی ہے۔ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ یہ غزوہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا کب عمل میں آیا جس میں ام حرام بنت ملحان نے بحری جنگ میں وفات پائی۔ اسے صحیح مسلم کی روایت میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ام حرام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اس بحری جنگ میں شریک ہوئیں اور اترتے اپنی سواری سے گر پڑیں اور وہیں وفات پائی۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اکثر اہل سیر واخبار کا موقف یہ ہے کہ یہ حضرت عثمان کے دور خلافت کا واقعہ ہے اس میں حضرت ام حرام اور ان کا خاوند شریک ہوئے اور آپ اس میں اپنی سواری سے گر پڑیں وہیں ان کی وفات ہوئی اور وہیں وہ دفن ہوئیں۔ اس صورت میں روایت کے الفاظ فی زمان معاویہ رضی اللہ عنہ کا معنی یہ ہوگا کہ یہ

معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور غزوہ میں ہوا (جب کہ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تھی) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت کی بات نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ان کے دور حکومت کی بات ہے اور اس پر فی زمانہ کے الفاظ کی دلالت زیادہ ظاہر دکھائی دیتی ہے۔

اس میں جو صورتحال بھی ہو اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک بحری سفر کا واقعہ ہے جو اللہ کی راہ میں پیش آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (جب آپ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے) اپنے خواب میں دیکھا اور اس سے آپ کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مسرت راضیہ کس کے عمل خیر میں دیکھی گئی؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بحری بیڑے کے سفر میں! تو اس حدیث سے جس پر امام بخاری اور امام مسلم دونوں متفق ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت لسان رسالت سے کھلے بندوں ثابت ہو رہی ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی فضیلت سند صحیح سے لسان رسالت سے ثابت نہیں۔ یہ حدیث ام حرام ان کی کھلی تردید کر رہی ہے۔ وکفی بہ شرفا وفضلا واللہ ھو الاعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

## تاریخ اسلام میں حکمرانوں کے سلطنت اسلامی پر شاہانہ قبضے:

علم الٰہی میں تھا کہ خلافت راشدہ کے بعد جو بڑے بڑے خاندان اقتدار پر آئیں گے ان کی اداو سلطنت درویشانہ نہیں شاہانہ ہوگی۔ حکومت پر امویوں کا قبضہ تھا جن کی سلطنت میں محمد بن قاسم ہندوستان میں آیا اس کا اقتدار خاندانی پیرائے میں تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو جو خلافت ملی وہ خاندانی پیرائے میں ہی ملی تھی گو ان کا اپنا پیرایہ محل درویشانہ تھا۔ عباسی حکمرانوں کا سلسلہ بھی خاندانی تھا۔ عباسیوں کے بالمقابل سپین میں امویوں نے جو حکومت قائم کی وہ بھی خاندانی پیرائے میں ہی تھی۔ ہندوستان میں مغل خاندان ظہیر الدین بابر سے لے کر اورنگ زیب تک اس خاندانی پیرائے میں ہی حکومت کرتا رہا۔

اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اگر کسی نے ملوکیت اختیار نہ کی ہوتی تو ان تمام اسلامی سلطنتوں میں جو بھی خدمات اسلام ہوئیں اور اسلام کو جو بھی بین الاقوامی فروغ حاصل ہوا وہ سب نظر و فکر اور عملی معرکے غیر اسلامی سمجھے جاتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب صورتیں اور وقائع سلاطین اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے اور اس کی مشیت میں تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہی کوئی اس شاہانہ پیرایہ حکومت میں آئے تاکہ اس کی نسبت سے ان مختلف تاریخ ادوار اسلامی کی اسلام کے حق میں کی گئی کارروائیاں پرچم اسلامی میں ہی رکھی جاسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے خود یہ منظر حضور اکرم ﷺ کو ان دو خوابوں میں دکھایا۔ جو حضور ﷺ نے حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر ایک ہی دن میں دیکھے اور حضور ﷺ نے ان پر اپنے مزاج کے تقاضے میں کوئی اظہار افسوس نہ فرمایا بلکہ اس کے مقابل آپ کے چہرہ مبارک پر ظہور مسرت ہوا۔ یہ سلطنت عظمیٰ کا ایک حصہ ہے اور اللہ کی مشیت تھی کہ آئندہ مسلم حکمرانوں میں جو بھی اس طرح خاندانی قبضے ہوں ان سب کو ایک صحابی سے اس کی اصل مل جائے گی اور اس کا آئندہ فقہائے اسلام کے اس متفقہ اصول سے کہ سلطنتیں کبھی خاندانوں میں بھی چلتی ہیں، کوئی ٹکراؤ نہ ہوگا اور سلاطین اسلام کی تمام اسلامی کارروائیوں کو ایک سند مل جائے گی۔ وہ اصول یہ ہے:

کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ ﷺ لیس بعبادۃ

ترجمہ: ہر وہ عبادت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل میں نہ آئی ہو وہ عبادت ہی نہیں۔

اس میں تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری کے الفاظ فی زمان معاویۃ بن ابی سفیان سے مراد وہ زمانہ ہے جب مرکزی حکومت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تھی اور ان کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر شام تھے یا یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے دور حکومت کی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ یہ بادشاہوں کے پیرائے میں چلے آنے والوں کو حضور ﷺ نے اپنے خوابوں میں اس طرح چلے آتا دیکھا اور اس پر اظہار مسرت فرمایا اور اس میں کوئی تردد نہیں کیا جا سکتا کہ پیغمبر کا خواب وحی ہوتا ہے۔ پس یہ شاہانہ پیرایہ حکومت بھی اسلامی نظام حکومت کا ہی ایک انداز ہے۔

سو ہم اس حدیث کو حدیث فضل معاویہ رضی اللہ عنہ اور ظہور مسرت راضیہ کے عنوان سے قارئین کرام کے سامنے لا کر بہت سے ان شکوک و شبہات کو ایک مجلس میں لپیٹ رہے ہیں جن کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت سی زبانیں بے محابا کھلتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے خلاف اگر کسی نے اظہار بغض کیا تو اس کا یہ اظہار حضور ﷺ سے بغض مانا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اس سے اسلام میں کسی کے لیے کوئی جگہ نہیں رہتی۔ حضور ﷺ نے صاف فرما دیا کہ جس نے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کی وہ میری محبت کے باعث ہے اور جس نے ان سے (یا ان میں سے کسی سے) بغض رکھا وہ ان کا بغض میرے ساتھ ہے۔ قرآن کریم میں اسکی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یہ استدلال اس عاجز کا نہیں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا ہے کہ قرآن کی رو سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والے صف اسلام میں بٹھائے نہیں جا سکتے۔

# حضور ﷺ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نظرِ شفقت

ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بلانے کے لئے بھیجا اور کہا:

ادع لی معاویة۔ معاویہ کو میرے ہاں بلاؤ۔

وہ گیا اور آکر حضور ﷺ کو خبر دی کہ وہ کھانا کھا رہا ہے۔ وہ روایت کرتا ہے:

فجئت فقلت هو یاکل قال ثم قال لی اذهب فادع لی معاویة قال فجئت فقلت هو یاکل۔

اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

لا اشبع الله بطنه (صحیح مسلم جلد 2، ص 325)

اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ہاں خدمات بجا لاتے تھے تبھی تو آپ ﷺ نے انہیں دو دفعہ بلایا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب حضور ﷺ نے کہا کہ اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے تو یہ بطور ناراضگی کے نہ تھا، یہ عربوں کی ایک عام عادت کے مطابق تھا۔

امام محی الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ (678) لکھتے ہیں:

ما وقع من سبه ودعائه و نحوه لیس بمقصود بل هو مما جرت به عادة العرب فی وصل کلامها بلا نیة کقوله تربت یمینك

آپ ﷺ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہنا کہ اس کا پیٹ نہ بھرے اسی قبیل سے تھا۔ اس پر حضور ﷺ کی حدیث جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے دعا کے پیرائے میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"اللهم إنما أنا بشر فأیما رجل من المسلمین سببته أو لعنته او جلدته فاجعلها له زکوة ورحمة (صحیح مسلم جلد 2، ص 324)

اس روایت سے حضرت معاویہ کے لیے یہ منقبت ثابت ہوتی ہے اور اسے ہم صحیح مسلم سے پیش کر رہے ہیں۔

(1) وہ مسلمان تھے، (2) حضور ﷺ کے خادم تھے، (3) حضور ﷺ اپنی ضرورتوں میں انہیں بلاتے تھے (آپکے یہ الفاظ ناراضگی کے نہ تھے) (4) انکے لئے زکوۃ (گناہوں کے اترنے) اور (5) رحمۃ اللعالمین کی رحمت اور دعا تھے اور حضور ﷺ کی مسرت راضیہ کا نشان تھے۔ یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جلد اول کتاب المناقب میں جو ذکرِ معاویہ کا باب باندھا ہے اس کا درجہ منقبت سے زیادہ ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے اپنے قارئین کے سامنے لا رہے ہیں۔ اس سے نجف اشرف اور قم کے ذاکروں اور مجتہدین کا یہ پروپیگنڈا یکسر بھسم ہو جاتا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی منقبت نہیں ملتی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المناقب میں اور صحابہ کے مناقب تو بیان کئے لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے انہوں نے "ذکر معاویہ" کا باب باندھا ہے (دیکھئے صحیح بخاری جلد ۱، ص ۵۳۱)

الجواب: 1۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام سے ذکر کا باب نہیں باندھا، اس سے پہلے آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی منقبت میں بھی ذکر کے لفظ سے ابواب قائم کئے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذکر سے پہلے آپ نے مناقب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا باب باندھا ہے پھر "ذکرِ معاویہ" کا باب ہے اور اس کے بعد مناقب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا باب باندھا ہے۔

2۔ ذکر کا لفظ منقبت کے لفظ سے بھی اونچا ہے۔ یہ وہاں آیا ہے جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کسی اجتہادی مؤقف سے دوسرے صحابہ کا اتفاق نہ ہو اس میں اندیشہ تھا کہ کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر غلطی کا الزام عائد کرے لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اجتہاد میں خطاء کے مرتکب کو بھی ایک اجر ملتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک وتر کو جائز سمجھنے سے دوسرے صحابہ متفق نہ تھے۔ اس موضوع میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھا رہے ہیں کہ نہیں! وہ پھر بھی صحابی ہیں۔ ان پر زبانِ طعن نہ کھولنا وہ مجتہد ہیں اور ہمارے دین میں مخطی مجتہد بھی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے سو یہاں ذکر کا لفظ لانا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ان کی منقصت نہیں، منقبت ہی ہے۔

3۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کتاب المناقب کا ایک باب قرار دیا ہے۔ اس سارے مضمون کو آپ صحیح بخاری جلد ۱، ص ۵۳۱ پر ملاحظہ کریں آپ اس نتیجے پر پہنچے گے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کسی اجتہادی خطاء میں خطاء کریں تو بھی اس پر وہ ایک اجر کے مستحق ہیں۔

ہم نے ان کی منقبت میں صحیح بخاری کے حوالہ سے یہ بات ہدیہ قارئین کی ہے۔ و کفی بہ شرفاً وفضلاً
ذکر کے لفظ میں کوئی منقصت ہوتی تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہ نہ کہتے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (پ16، مریم 41)

سو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں الزام کی زبان وہی کھول سکتے ہیں جن کا اس موجودہ قرآن پر ایمان نہ ہو۔

# (۱۰) حدیث وحدتِ امت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

قرآن کریم نے زمانہ رسالت میں حضور ﷺ پر ایمان لانے والوں کو ایک امت فرمایا اور انہیں خیر امت کا خطاب دیا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ...الآیۃ (پ ۴، آل عمران ۱۱۰) انہیں سے سلسلہ امت آگے چلا۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے عراق منتقل ہونے کے بعد امت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ (۱) اہل عراق اور (۲) اہل شام۔ ان دونوں میں جنگ صفین تک چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ ایک بڑی قوت رہے۔ دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نامزد گورنر شام ہونے کے اپنے موقف پر قائم اور مصر رہے۔ جنگ صفین کا سب سے افسوسناک پہلو یہ رہا کہ خوارج کا ایک تیسرا گروہ قائم ہوگیا اور امت تین حصوں میں منقسم ہوگئی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپس میں نہ لڑنے کی تجویز پر ان سے صلح کر لی اور اس کے چند ماہ بعد آپ خوارج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

امت مسلمہ کا ایک سے دو ہو جانا تاریخ اسلام کا نہایت افسوسناک موڑ تھا۔ اب انتظار تھا کہ یہ دو پھر کب سے ایک ہوتے ہیں اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی چلی آ رہی تھی۔ جس کے پورا ہونے کا وقت اب آ لگا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو حدیث وحدت امت کہتے ہیں اور آج کی مجلس میں بس اس کا بیان ہوگا۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ ویرضی بہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا خاصا اثر تھا اور آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنی چاہی اور دونوں بھائیوں نے اس پیش رفت سے پھر سے امت کو دو سے ایک کر دیا۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے کہا:

سمعت النبی ﷺ علی المنبر و الحسن علیٰ جنبه ینظر الیٰ الناس مرةً والیه مرةً ویقول ابنی هٰذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین من المسلمین (صحیح بخاری جلد ۱، ص ۵۳۰)

ترجمہ: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سنا جب کہ آپ کی دائیں جانب

حضرت حسن رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ایک دفعہ لوگوں پر نظر کرتے اور ایک دفعہ حضرت حسن کی طرف اور آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں کو پھر سے ایک کر دے گا۔

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ اس طرح بھی آئے ہیں:

فئتین عظیمتین من المسلمین یہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کی صلح ہوگی۔

یہاں سے ہر ایک جماعت کے لیے فئہ عظیمہ ایک اصطلاح بن گئی۔

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی یہ صلح کوئی مجبوری کی صلح نہ تھی۔ مجبوری تب ہوتی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عراق گئے ہوں جہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانشین تھے لیکن اگر یہ دونوں بھائی شام آئے ہوں تو اسے مجبوری کی فتح اور طاقت کی فتح نہیں کہا جا سکتا۔ پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلح کو عزت کے پیرائے میں بیان فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ پیغمبر کی بات ظاہر داری کی نہیں ہو سکتی۔ پیغمبر کا ایسا بول وحی الٰہی سے ہوتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے وظائف بھی لیتے رہے اور حضرت حسین اپنے بھائی کی شہادت کے بعد بھی اپنے وظائف لیتے رہے اور مدینہ میں ہی مقیم رہے تو کیا یہ کسی حدیث میں بھی مجبوری کی صلح ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

## امت کو ایک رکھنا یہ کس کی دینی ذمہ داری ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب یزید حکمران ہوا تو اس کی طرف سے مدینہ منورہ میں عبداللہ بن مطیع امیر تھا ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسے ملنے گئے۔ اس نے اتنے بڑے بزرگ کی آمد پر اپنے عملہ کو ان کے لیے چٹائی بچھانے کا کہا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے بڑی بے پرواہی سے کہا۔

أني لم اتك لاجلس اتيت لاحدثنك حديثاً سمعت رسول الله ﷺ يقول من خلع يداً من طاعة لقى الله يوم القيٰمة لا حجة له ومن مات وليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۱۲۸)

ترجمہ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس نے کسی امیر کی سلطنت سے خروج کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن اس طرح پیش ہوگا کہ اس کے پاس اپنے اس عمل کی کوئی حجت نہ ہوگی اور جو کسی امیر کی طاعت کے بغیر مرا تو اس کی موت جاہلیت پر ہوئی ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے:

فمن أراد أن يفرق أمر هٰذه الامة وهى جميع فاضربوه بالسيف كان من كان

(صحیح مسلم جلد ۲، ص ۱۲۸)

ترجمہ: جو ارادہ کرے کہ اس امت کو ایک ہونے کے بعد پھر سے دو کر دے اسے قتل کر دو وہ جو بھی ہو۔

ان روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ امت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی خاطر (وحدت امت کی خاطر) اسے دو حصوں میں تقسیم کرنے والے کو سزائے موت بھی دی جاسکتی ہے۔

ہم تعلیمات اسلام کی رو سے ہر کثرت کو وحدت پر لانے کے مامور ہیں۔ یہاں تک کہ عام سفر پر بھی جائیں تو ان میں سے ایک امیر ہو سلطنتیں بھی اسی طرح قائم رہ سکتی ہیں کہ ان کا کوئی امیر ہو ایسی زندگی اختیار کرنے کی اجازت نہیں جس میں سربراہ کوئی نہ ہو سربراہ اچھا ہو یا برا ہر سوسائٹی ایک سربراہ کی محتاج ہے۔

اسلامی ملکوں میں ہر گھر کا سربراہ باپ ہوتا ہے۔ جہاں ایسا ہو وہاں گھر اچھے ڈسپلن سے چلتے ہیں۔ مغربی ممالک میں ماں باپ گھر کے دو برابر کے سربراہ ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی گھریلو زندگی نہیں بنتی۔ نہ اولاد کی صحیح تربیت ہو پاتی ہے۔ طلاقیں مغربی ممالک میں عام ہیں اور ان کی عام وجہ یہی ہے کہ خاوند اور بیوی میں کوئی چھوٹا ہو کر رہنے کو تیار نہیں۔ دو برابر کے سربراہوں میں کوئی گھر خوشحالی نہیں پا سکتا۔ اسلامی تاریخ میں وحدت امت کا جو قدم حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے اٹھایا ان کی نظیر شاید آفاق عالم میں کہیں نہ ملے۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے ہر ملک کی اپنی حکومت تھی اور ہر علاقے کا اپنا اقتدار تھا۔ آپ ﷺ نے مختلف ممالک کو مل کر چلنا سکھایا اور آپ کے اس نظام نے خلافت کا نام پایا۔ خلافت کا معنی نیابت کا ہے۔ اسلام میں حکمران خدا کا نائب ہوتا ہے۔ یہ خدا کی نیابت کا اقرار ہے اور اس کا دائرہ ایمان میں داخلہ ہے اللہ تعالیٰ اسے سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔ ایسے معاشرے میں برائیاں بہت کم پیدا ہوتی ہیں۔

یورپین ممالک میں سب سے بڑا ملک انگلستان سمجھا جاتا ہے۔ اس نے مسلم ممالک سے سبق لے کر سکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور ویلز وغیرہ کو ملا کر اپنا نام یو کے United Kingdom رکھا۔ امریکہ ایک مستقل براعظم ہے اس نے اپنے تمام ملکوں کو ملا کر اس کا نام United State of America USA. رکھا۔ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے۔ اسکے مختلف حصے بہت دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ سب کے مجموع کو Indin Union کہتے ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں مختلف آبادیوں نے ایک ہو کر چلنے کی ادا اختیار کی تو اس کا کریڈٹ Credit اسلام کو ہی جاتا ہے جس نے سب سے پہلے اس ملے نظام زندگی کو خلافت کا نام دیا اور وہ خلافت قائم بھی ہوئی۔

یہ صحیح ہے کہ پھر خلافت خاندانوں میں آ گئی تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ آئندہ انہی

خلفاء اور مسلم حکمرانوں سے اسلام اور مسلمانوں کو فروغ ملتا رہا ہندوستان میں کثیر آبادی ہندوؤں کی تھی مگر مسلم حکمرانوں نے اس میں جو خدماتِ اسلام کیں ان کا تسلسل بھی پیچھے نظام خلافت تک پہنچتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے خود اپنی جدوجہد سے ہی ہندوستان میں مسلم دور حکومت قائم کیا تھا مگر وہ خلافت کے اس اسلامی احساس سے بغداد گیا اور وہاں خلیفہ اسلام کی بیعت کی۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیر تک ہندوستان کا نظام حکومت زیادہ مغلوں کے پاس رہا لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام اور مسلمانوں نے جو فروغ پایا وہ اسی خاندانی حکومت میں پایا اور اس برصغیر کی اسلامی چمک دمک دہلی سے پوری دنیا کے کناروں تک پہنچی جس کا نقشہ الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسدس میں بہت دلآویز پیرائے میں کھینچا ہے:

## دہلی مرحوم کی تاریخی یاد

اے جہاں آباد اے اسلام کے دار العلوم
اے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دھوم
تھے ہنر ور تجھ میں اتنے جتنے گردوں پر نجوم
تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم
زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہاں آباد کا
تیری طینت میں ودیعت تھا مذاقِ علم و دین
جیسے امی تجھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں
ہند میں تھا جو محدث تھا وہ تیرا خوشہ چیں
تھی محدث خیز اے پاتخت تیری سرزمیں
تھا تفقہ بھی مسلم تیری خاک پاک کا
بیہقی وقت تھا اک اک فقیہ اس خاک کا
شاذ و نادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر
آب و گل کا تیرا تھا گویا تصوف سے خمیر
تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مہر و منیر
تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مستنیر
آج اس دولت کا بازار جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے

اس پر ہم حدیث وحدت کا بیان ختم کرتے ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔۔ وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

# (۱۱) حدیث مباہلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ءٰآللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ ... اَمَّا بَعْدُ!

قرآن کریم میں آیت مباہلہ تو ہے اور وہ صرف دعوت مباہلہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جب مدینہ منورہ میں ایک مضبوط سلطنت قائم کر لی تو آپ نے نجران کے عیسائیوں کو اس سلطنت میں امان دینے کے لیے ایک فرمان بھیجا کہ تم ان تین چیزوں میں کسی ایک کو قبول کر لو (۱) مسلمان ہو جاؤ (۲) ہماری ماتحتی کے لیے جزیہ دینے کا اقرار کر لو (۳) ایسا نہیں تو جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کسی پر جنگ مسلط نہیں کرتا نہ کسی کو جبراً مسلمان کرتا ہے صرف اتنا چاہتا ہے کہ اللہ کا نام اونچا رہے۔

حضور ﷺ کا جب یہ فرمان اہل نجران کو پہنچا تو انہوں نے ساٹھ آدمیوں کا ایک وفد بڑی شوکت کے لباس میں مدینہ منورہ بھیجا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

> نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ان میں چودہ شخص ان کے اشراف (بڑے لوگوں) میں سے تھے جن کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱، ص ۴۳۸)

مفتی اعظم دار العلوم دیوبند مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی لکھتے ہیں کہ اس وفد کے تین سربراہ تھے (۱) شرجیل (۲) شرجیل کا بیٹا عبداللہ اور (۳) جبار بن قیس۔ حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

> ان لوگوں نے آ کر مذہبی امور پر بات چیت شروع کی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت ثابت کرنے میں ان لوگوں نے انتہائی بحث و تکرار سے کام لیا۔
> (تفسیر معارف القرآن جلد ۲، ص ۸۱)

یہ بات متفق علیہ ہے کہ نصاریٰ نجران نے دعوتِ مباہلہ قبول نہ کی اور نہ مباہلہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں مباہلہ واقع ہی نہ ہوا اور اس بات کی حقیقت ہی کیا ہو سکتی ہے جو امر واقع نہ ہو لیکن شیعہ حضرات نے دعوتِ مباہلہ کو اتنی اہمیت دے رکھی ہے کہ گویا اہل سنت اور شیعہ کے اختلاف کی یہی وجہ ہے۔ ان کے

علامہ علی حائری نے بھی اس پر ایک مستقل رسالہ موعظہ مباہلہ کے نام سے لکھا اور بھی کئی ذاکروں نے اس پر قسمت آزمائی کی مگر ہاتھ کچھ نہ آیا۔ کوئی بات ایسی نہیں جسے حدیث مباہلہ کہا جاسکے اور اسے قارئین کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ حضور ﷺ نے وفد نجران کے سامنے جو تجویزیں پیش کی تھیں ان میں سے دوسری کو انہوں نے قبول کیا کہ ہر سال وہ دو ہزار جوڑے کپڑوں کے دیا کریں گے۔ ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں۔ اس پر آپ ﷺ نے ان سے صلح کر لی اور فرمایا:

> قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اہل نجران پر عذاب منڈلا رہا تھا اگر وہ مباہلہ کر لیتے تو مسخ کر دیئے جاتے اور بندر اور خنزیر بنا دیئے جاتے اور ان کے سارے علاقے کو آگ جلا کر ختم کر دیتی اور نجران کے لوگ بالکل ختم ہو جاتے یہاں تک کہ پرندے بھی درختوں پر نہ رہتے اور ایک سال بھی پورا نہ ہوتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔
>
> (انوار البیان فی کشف اسرار القرآن جلد ۲، ص ٦٩)

## مباہلہ مقابلے میں آکر بددعا کرنے کا نام ہے:

مباہلہ بھلۃ (بددعا) سے باب مفاعلہ ہے جو آتا ہی مقابلہ کے لیے ہے جیسے مباحثہ اور مشاعرہ۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> اگر کسی امر کے حق و باطل میں فریقین میں نزاع ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے کیونکہ لعنت کے معنی رحمتِ حق سے بعید ہو جانا ہے اور رحمت سے بعید ہونا قہر سے قریب ہونا ہے۔ پس حاصل معنی اس کے یہ ہوئے کہ جھوٹے پر قہر نازل ہو اور جو شخص جھوٹا ہو گا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا...... اس طور پر دعا کرنے کو مباہلہ کہتے ہیں۔ (معارف القرآن ج ۲، ص ۸۵)

## اب آیت دعوت مباہلہ پر بھی ایک نظر کریں

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (پ ۳، آل عمران ٦١)

ترجمہ: پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ آچکی تیرے پاس خبر سچی تو کہہ دے آؤ بلاویں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان۔ پھر التجاء کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔

یہ آیت قرآن کی ہے اور خدا کا حکم ہے۔ظاہر ہے کہ اگر اس دعوتِ مباہلہ کو وہ مان لیتے اور مباہلہ ہوتا تو یقیناً اس آیت کے مطابق ہوتا، اس میں آپ کی اولاد بھی ہوتی اور آپ کی ازواج مطہرات بھی اور حضور ﷺ خود بھی مع اپنے اصحاب کے اس میں شامل ہوتے۔دوسری طرف صرف وہ وفد میں آنے والے اشراف نجران ہی نہیں انکی عورتیں بھی نجران سے آ کر اس میں شامل ہوتیں۔

اس پر سوال ابھرتا ہے کہ اس پر عمل کرتے ہوئے حضور ﷺ اور صحابہ اپنی عورتوں کو لے کر مباہلہ میں کیوں نہ نکلے؟ آپ کی اولاد میں سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ (داماد بھی بیٹوں کے ساتھ شامل ہوتا) اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو حضور ﷺ کے ساتھ آئے لیکن آپ کی بیٹی جو خیر البنات کے طور پر معروف تھیں ان کی بیٹی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیوں نہ نکلیں؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بہن زینب حضور ﷺ کی اولاد میں شامل ہو کر کیوں نہ نکلیں؟ حضور ﷺ کی بیٹی زینب کا بیٹا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا عبداللہ یہ حضور ﷺ کے نواسے ساتھ کیوں نہ نکلے۔

## الجواب:

اگر مباہلہ ہوتا تو یقیناً اس آیت کے مطابق ہوتا لیکن اگر وہ ہوا ہی نہیں تو یہ نکلنا مباہلہ کے لیے نہ رہا، صرف دعوت دینے کے لیے تھا اور حضور ﷺ اپنی اولاد میں سے جن سے آپ زیادہ پیار کرتے تھے انہیں نمونے کے طور پر ساتھ لے کر نکلے۔اس میں یہ بات لپٹی تھی کہ اگر وہ نجران والے اس دعوت کو قبول کر لیتے تو حضور ﷺ باقی مدعوین کو بھی حسب آیت مباہلہ بلا لیتے اور پھر قرآن کے مطابق مباہلہ ہوتا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> اس آیت میں ابناء سے مراد صرف اولادِ صلبی نہیں ہے بلکہ عام مراد ہے خواہ اولاد ہو یا اولاد کی اولاد ہو کیونکہ عرفاً ان سب پر اولاد کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا أبناء نا میں آپ ﷺ کے نواسے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور آپ کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ داخل ہیں۔خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابناء نا میں داخل کرنا اس لیے بھی صحیح ہے کہ آپ نے تو پرورش بھی حضور ﷺ کی آغوش میں پائی تھی آپ ﷺ نے ان کو اپنے بچوں کی طرح پالا پوسا اور آپ کی تربیت کا پورا پورا خیال رکھا۔ایسے بچے پر عرفاً بیٹے کا اطلاق ہی کیا جاتا ہے۔
>
> اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اولاد میں داخل ہیں لہٰذا روافض کا آپ کو أبناء نا سے خارج کر کے اور أنفسا میں داخل کر کے آپ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔(معارف القرآن جلد ۲، ص ۸۶)

اب اگر ان روایات کا بھی اعتبار کر لیا جائے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام آنے والوں میں مذکور

نہیں تو ہمارے اس جواب میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ انہیں أنفسنا میں پیش کرنے کی کوئی گرانی محسوس ہوتی ہے۔

علامہ شعبی کے بیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام آنے والوں میں نہیں۔ تفسیر ابنِ جریر طبری میں ہے:

أما الشعبي فلم يذكره فلا أدري لسوء رأي بني امية في علىّ أو لم يكن في الحديث (تفسیر ابن جریر جلد ۳، ص ۱۹۴)

ترجمہ: علامہ شعبی نے حضرت علی کا نام ان ساتھ آنے والوں میں ذکر نہیں کیا یہ اس لیے بھی ہو سکتا ہے کہ بنو امیہ حضرت علی کے بارے میں اچھی رائے نہ رکھتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث مباہلہ میں آپ کا ذکر ہی نہ ہو۔

## مباہلہ واقعہ ہو جاتا تو یہ گرہ کھلتی:

اگر وفد نجران حضور ﷺ کی اس دعوت مباہلہ کو منظور کر لیتے تو اس وقت پتہ چلتا کہ حضور ﷺ نے قرآن پاک کے اس حکم کے مطابق کس کس کو ساتھ لیا ہے جب مباہلہ ہوا ہی نہیں تو اس سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت حضور ﷺ کن کن کو ساتھ لیتے۔

حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اگر اہل نجران مباہلہ منظور کر لیتے تو اس وقت دیکھا جاتا کہ حضور ﷺ کن کن لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاتے اگر اس وقت بھی سوا ان حضرات کے کسی کو اپنے ہمراہ نہ لے جاتے تو بے شک ان الفاظ کا مصداق انہیں حضرات کو ماننا ضروری ہوتا۔ یقیناً اگر نوبت مباہلہ آتی تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو ضرور ہمراہ لے جاتے کیونکہ نساء نا سے (بیویوں کے سواء) کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتا۔

جلیل القدر مفسر ابن حیان اندلسی (۶۵۴ھ) بھی لکھتے ہیں:

ولو عزم نصاری نجران على المباهلة وجاء وا لها لأمر النبى ﷺ المسلمين ان يخرجوا باهاليهم لمباهلته (البحر المحیط ج ۲، ص ۳۶۵)

ترجمہ: اور اگر نجران کے عیسائی مباہلہ کا ارادہ کرتے اور اس کے لیے آتے تو حضور ﷺ بھی مسلمانوں کو حکم دیتے کہ اپنے اپنے اہل وعیال کو لے کر مباہلہ کے لیے آئیں۔

اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ اگر عملاً مباہلہ ہوتا تو پھر حضور ﷺ آیت مباہلہ کے مطابق اپنے اہل وعیال اور اپنی ازواج کو لے کر آتے اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ فریق مخالف کے اپنے اہل و عیال کے ساتھ نکلنے کا بھی کچھ نقشہ اپنے ذہن میں لے آئیں۔

## عمل مباہلہ کا تصوراتی نقشہ:

نجران کے نصاریٰ کا وفد جن کے ساتھ عملاً مباہلہ ہوتا ساٹھ افراد پر مشتمل تھا جن میں چودہ ان کے وہ اشراف (بڑے لوگ) تھے جو اپنے سارے وفد کی نمائندگی کرتے تھے۔ ان کی نمائندگی میں مباہلہ میں کم از کم ان کی چودہ عورتیں اور ایک بڑی تعداد میں ان کے ابناء نکلتے اب ان کے مقابلہ میں اگر حضور ﷺ صرف ان تین پرنور چہروں کو ہی لے کر نکلتے تو کیا اس وفد کے چودہ بڑے حضور ﷺ سے یہ نہ کہتے کہ آپ اپنی دعوت مباہلہ کے مطابق اپنی عورتوں کو لے کر کیوں نہیں آئے اور آپ کے ساتھ پردے میں ایک عورت ہے اور وہ آپ کی بیٹی ہے آپ کی عورت نہیں۔ عورت کا لفظ جب کسی شخص کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اس سے اس کی بیوی ہی مراد ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جب حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو یانساء النبی کے لفظ میں مخاطب کیا تو اس سے بالاتفاق آپ ﷺ کی بیویاں ہی مراد ہیں نہ کہ بیٹیاں۔

شیعہ مفسرین میں سے کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مراد تھیں۔ وفد نجران کے بڑے کیا سورۃ الاحزاب کی اس آیت کے حوالے سے یہ نہ کہتے کہ حضور ﷺ آپ کے ساتھ پردے میں جو خاتون ہے وہ آپ کی بیٹی ہے آپ کی نساء میں سے نہیں۔

حضور ﷺ کے ساتھ اپنی اولاد میں سے صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آپ کے بیٹے نہیں نواسے تھے۔ جنھیں مجازی طور پر تو بیٹا کہا جا سکتا ہے حقیقی طور پر نہیں یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عیسائی نمائندے بھی کیا اس طرح اپنے مجازی بیٹوں کو لا رہے ہوتے یا ان کے ابناء ان کے حقیقی بیٹے ہوتے؟ مقابلے میں فریقین کو ایک ہی پیرایہ اختیار کرنا ہوتا ہے۔

عمل مباہلہ کے اس تصوری نقشہ سے یہ حقیقت ناقابل انکار ٹھہرتی ہے کہ اگر عملاً مباہلہ ہوتا تو پھر آپ ﷺ کے ساتھ یہی تین افراد نہ ہوتے۔

أنفسنا میں عیسائیوں کے چودہ بڑے اپنے آپ کو لے کر آتے تو حضور ﷺ بھی اپنے فریق کے بڑوں میں اپنے ساتھ عشرہ مبشرہ اور جو لوگ مسلمانوں میں بڑے سمجھے جاتے تھے ان کو ضرور ساتھ لے کر نکلتے اور اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ دعوت مباہلہ میں حضور ﷺ جن کو ساتھ لے کر نکلے وہ بطور نمونہ لے کر نکلے تھے مباہلہ کے لیے نہیں مباہلہ کے لیے نکلنا صرف اس طرح ہو سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آیت مباہلہ میں خود بتلائی تھی۔

اس ترتیب میں أنفسنا جمع کا لفظ ہے اگر اس میں حضور ﷺ تن تنہا تھے ساتھ کوئی نہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ تو حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی طرح آپ کی اولاد میں شمار تھے وہ کسی طرح آیت مباہلہ کے اس لفظ کا مصداق نہ ہو سکتے تھے سو صورت واقعہ صرف یہ رہ جاتی ہے کہ حضور ﷺ اس معرکہ میں اکیلے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ واحد پر جمع کا اطلاق نہیں ہوتا نفس واحد ہے اور انفس اس کی جمع ہے اور یہاں انفس کو لے کر نکلنے کا حکم تھا نفس واحدہ کو نہیں۔

دعوت مباہلہ کو واقعہ مباہلہ بنا کر اپنی مجلسوں میں بیان کرنا اگر صرف عام ذاکروں کا عمل ہوتا تو ہمیں اسے دوازدہ حدیث میں لانے کی ضرورت نہ تھی لیکن ہمیں اس پر بہت حیرانگی ہوتی ہے کہ ان کے علامہ علی حائری اور ان کے قبلہ مولوی اعجاز حسن بدایونی جیسے شریعت مدار علماء کیوں اس بے اصل مؤقف پر نغمہ سرا ہوئے کہ حضور ﷺ اپنے ان تین مجازی بیٹوں اور ایک حقیقی بیٹی کو لے کر مباہلہ کے لیے نکلے تھے اور یہ صرف نمونہ دکھلانے کے لیے نکلنا تھا۔ علامہ حائری نے موعظہ مباہلہ کے نام سے جو ایک مستقل رسالہ لکھا اور علامہ بدایونی نے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کی تفسیر آیت مباہلہ کے جواب میں ایک رسالہ برہان المباہلہ لکھا جس کس جواب اہل سنت کے مشہور عالم جناب ابو المآثر مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے دفع المجادلہ عن آیت المباہلہ کے نام سے لکھا ہے۔

باقی رہے ان کے ذاکرین تو وہ بس ان کی لگائی لکیروں کو ہی پیٹ رہے ہیں۔

## نمونہ دکھلانے میں حضور ﷺ نے ازواج کو ساتھ نہ لیا:

حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر آیت مباہلہ کی نہایت دل آویز صورت یہ بیان کی ہے:

> جو حضرات الفاظ آیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے ان کو آپ نے قبل از وقت (کہ مباہلہ عملاً کرنا ہو) اس لیے بلا لیا کہ ان کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ آنحضرت ﷺ ہم کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے اور ان کی دل شکنی نہ ہو اور جو حضرات الفاظ آیت سے مراد تھے ان کے بلانے میں آپ نے عجلت (جلدی) نہ فرمائی بلکہ انتظار فرمایا کہ نصاری کی مرضی معلوم ہو جائے تو ان کو بلایا جائے اور یہ بالکل ایسا ہی ہوا کہ آیت تطہیر کے نازل ہونے کے بعد جو لوگ اہل بیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے ان کو کمبل کے نیچے لے کر ان کے لیے دعا کی اور جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد تھے ان کو اس دعا میں (جو کمبل کے نیچے آنے والوں پر پڑھی گئی) شامل نہ کیا۔ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے شامل ہونا چاہا تو آپ نے ان کو یہ کہہ کر روک دیا کہ انك علی خیر تم بہتر حالت میں ہو یعنی ان سے تم زیادہ اچھے حال میں ہو درجہ اولیٰ کے اہل بیت میں سے ہو۔
>
> (تحفہ اہل سنت ص ۶۲۷)

## نجران کے عیسائی انکار مباہلہ پر کب آئے؟

شیعہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی اولاد کے نورانی چہروں کو دیکھ کر جب آپ ﷺ وفد نجران سے مباہلہ کرنے نکلے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں نہ حضور ﷺ مباہلہ کے لیے نکلے اور نہ ہی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پرنور چہروں کی چمک دیکھ کر انہوں نے مباہلہ نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

یہ اس لیے کہ دعوت مباہلہ میں آپ کو اپنی عورتوں کو ساتھ لے کر عمل مباہلہ کے لیے نکلنے کا حکم تھا اور اس نکلنے میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ساتھ نہ تھیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکلنا مباہلہ کے لیے نہ تھا یہ صرف اس کا نمونہ دکھلانا تھا کہ اگر انہوں نے حضور ﷺ کی دعوت مباہلہ منظور کی تو حضور اکرم ﷺ اس طرح اپنی اولاد کو ساتھ لے کر مباہلہ میں نکلیں گے۔ وہ صورت قرآن کریم میں اس طرح بتلائی گئی ہے:

ندع أبناءنا وأبناءكم

اسے علامہ زمخشری (۵۳۸ھ) نے ان لفظوں سے بیان کیا ہے:

أي يدع كل مني ومنكم أبناءه ونساءه ونفسه الى المباهلة

(کشاف جلد ۱، ص ۵۶۶)

ترجمہ: یہ کہ ہم میں سے ہر ایک فریق اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں اور اپنے آپ کو لے کر مباہلہ کرے۔

علامہ زمخشری تو اہل سنت میں سے نہیں ہم انہیں ایک غیر جانبدار گواہ کہہ سکتے ہیں سو مباہلہ کی صورت عمل صرف اس طرح پوری ہوتی ہے کہ اس میں حضور کی عورتیں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔

وفد نجران کے بڑوں نے حضور کی دعوت مباہلہ پر آپ سے مہلت مانگی تھی کہ وہ آپس میں مشورہ کر کے اگلے دن کچھ کہہ سکیں گے اگلے دن حضور ﷺ اپنے ساتھ اپنی حکمی اولاد کو لے کر نمونہ کے طور پر نکلے اور آپ کی حقیقی اولاد میں سے صرف ایک بیٹی (خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) آپ کے ساتھ تھیں وہ بھی پردہ میں تھی یہ نہیں ہوسکتا کہ نجران کے عیسائیوں نے ان کے نورانی چہرہ کی چمک دیکھی ہو۔ رہے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پرنور چہرے تو ظاہر ہے کہ ان کے چہروں سے زیادہ حضور ﷺ کا اپنا چہرہ پرنور تھا کہ چاند سے زیادہ اس کی چمک تھی۔ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ نجران کے عیسائی جو حضور ﷺ کے پاس ایک بڑے وفد کی صورت میں آئے تھے کیا انہوں نے حضور ﷺ کا چہرہ مبارک نہ دیکھا تھا اسے

دیکھ کر وہ مباہلہ سے پیچھے کیوں نہ ہٹے اور ایک دن اپنے مباہلہ پر غور وفکر کرنے کی مہلت کیوں مانگی؟
یہ وہ سوال ہے کہ جس کا جواب لکھنؤ کے شیعہ مجتہدین اور ذاکرین میں سے آج تک کوئی نہ دے سکا۔
اہل سنت تو صاف کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اس وقت مباہلہ کے لیے نہ نکلے تھے انہیں صرف ایک نمونۂ دکھانے کے لیے آئے تھے مباہلہ کے لیے وہ تب نکلتے اگر وہ آپ کی اس دعوت مباہلہ کو قبول کرتے اور اس صورت میں آپ کی ازواج مطہرات بھی حسب بیان قرآن ضرور ساتھ ہوتیں۔
نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس کی تائید میں وہ روایت ہی ہدیہ قارئین کر دیں کہ جب وفد نجران آپ کے پاس آیا اور آپ نے ان کے سامنے مباہلہ کی تجویز رکھی تو انہوں نے اس پر غور وفکر کرنے کے لیے ایک دن کی مہلت مانگی اور اگلے دن آ کر مباہلہ سے انکار کیا اور سلطنت اسلامی میں رہنے کے لیے سالانہ جزیہ دینے کی ذمہ داری قبول کر لی مباہلہ نہ کرنے کا فیصلہ وہ رات طے کر کے آئے تھے یہ نہیں کہ اب حضور ﷺ کی ساری اولاد کے چہروں کو دیکھ کر۔ محدث جلیل حافظ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تجویز مباہلہ پر ان عیسائیوں نے حضور علیہ السلام سے کہا تھا:

نرجع وننظر فی امرنا ثم نأتیك غداً فخلا بعضهم الی بعض

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳، ص ۲۹۸)

ترجمہ: انہوں نے کہا ہم واپس جاتے ہیں اور اپنے معاملہ پر غور کرتے ہیں پھر ہم کل آپ کے پاس آئیں گے اس پر وہ ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ مشورہ کرنے لگے ہر ایک سے خلوت میں ملتے تھے۔

ابن جریر طبری کے بعد مفسرین میں زیادہ احادیث لانے والے کون کون حضرات ہیں۔ (۱) امام کبیر ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی (۵۱۶ھ) (۲) امام عبدالرحمن علی ابن الجوزی (۵۹۷ھ) (۳) ابن حیان اندلسی (۶۵۴ھ) (۴) حافظ ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ)
امام بغوی رحمہ اللہ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں:

"فلما قرأ رسول الله ﷺ هذه الآیة علی وفد نجران و دعاهم الی المباهلة قالوا حتی نرجع و ننظر فی امرنا ثم نأتیك غدا۔ (معالم التنزیل جلد ۳، ص ۳۱۰)

ترجمہ: جب حضور اکرم ﷺ نے آیت مباہلہ وفد نجران کے سامنے پڑھی اور انہیں مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کہا یہ اس پر موقوف ہے کہ ہم واپس جائیں اور اپنے موقف پر غور کریں پھر اگلے دن آپ ﷺ کے پاس آئیں۔

## تفسیر ابن الجوزی بھی ملاحظہ کریں:

فدعاهما الى الملاعنة فواعداه ان يغاديا ه (تفسیر ابن الجوزی جلد ۱، ص ۸۹)

ترجمہ: آپ نے العاقب اور السید کو (ان کے ان دو بڑوں کو) باہمی طور پر جھوٹے پر لعنت کی بددعا کرنے کے لیے دعوت دی اس کے بعد دونوں نے (باہمی غور وفکر کے بعد) اپنے اگلے دن آنے کا کہا۔

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) رحمۃ اللہ علیہ کا بیان آپ پہلے پڑھ آئے ہیں:

نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ان میں چودہ شخص ان کے اشراف (بڑے لوگوں) میں سے تھے جن کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱، ص ۴۳۸)

اہل سنت کا موقف سمجھنے کے لیے یہ پانچ حوالے ایک ہی بات کہہ رہے ہیں کہ وفد نجران نے اپنے غور وفکر کے لیے ایک دن کی مہلت مانگی تھی۔

حضرت مولانا عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ بھی تحفہ اہل سنت میں یہی بات کہہ رہے ہیں۔

علامہ جاراللہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری (۵۳۸ھ) تو اہل سنت میں سے نہیں وہ بھی یہی لکھتے ہیں:

روى انهم لما دعاهم الى المباهلة قالوا حتى نرجع وننظر

(کشاف جلد ۱، ص ۳۰۷)

ترجمہ: یہ روایت ملتی ہے کہ آپ نے جب انہیں مباہلہ کے لئے دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم ابھی جاتے ہیں اور اس پر غور کرتے ہیں۔

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ اس وفد نجران کا مباہلہ سے انکار حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہروں کو دیکھنے کی وجہ سے نہ ہوا تھا وہ اپنے باہمی مشورہ سے اس یقین پر تھے کہ حضور واقعی اللہ کے رسول ہیں ہم اگر آپ کے دین میں جانا نہیں چاہتے تو ہم واپس چلے جائیں اور اپنے دین پر ہی رہیں (اور سالانہ خراج ادا کر دیا کریں)۔

## تفسیر کشاف کے ان الفاظ کو بھی پڑھ لیں:

فان ابيتم الا الف دينكم والاقامة على ما انتم عليه فوادعوا الرجل وانصرفوا الى بلادكم فأتوا

ترجمہ: اگر تم اپنے دین سے چمٹے رہے اور اس پر قائم رہے سو ہر بات کا انکار کرتے ہو تو اس شخص کو الوداع کہو اور اپنے شہروں کی طرف واپس چلو سو وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے۔

## ان کی دعوت مباہلہ قبول کرنے کی ایک روایت:

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دوررس نظر میں لفظ نبتھل کا معنی صرف بددعا کرنا نہیں بلکہ اس میں عاجزی کی ادا ضرور ہے دعا ہو یا بددعا۔ اللہ تعالیٰ سے جو چیز بھی مانگی اس کا پیرایہ ایک زاری کا ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحب اس بات کی تو تصدیق کرتے ہیں کہ وفد نجران نے حضور علیہ السلام سے آپ کی دعوت مباہلہ پر غور کرنے کی مہلت مانگی تھی اور اگلے دن اس کا جواب دینے کا کہا تھا اگلے دن وہ ایک طے شدہ مقام پر آئے اور انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے کا اظہار کیا لیکن یہ اظہار اس وقت مباہلہ کرنے کا نہ تھا۔ اس میں صرف شرائط طے کرنا تھی کہ مباہلہ کیسے ہو؟ اس وقت انہوں نے یہ بات مان لی کہ مباہلہ نہایت عاجزی سے ہو۔ عربی میں بہلۃ ایک پیرایہ عاجزی کی مانگ ہے۔

ہم اس پر حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا پورا بیان ہدیہ قارئین کئے دیتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ پہلے یہ آیت مباہلہ لکھتے ہیں اور پھر اس کے بعد یہ پیرایہ دعا لکھتے ہیں:

> پھر کہہ دو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان جھگڑنے والوں کو کہ آؤ تم۔ تو بلا دیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو۔ پھر ان سب کو بلا کر پھر عاجزی کریں ہم۔ پھر کریں ہم سب مل کر لعنت خدا تعالیٰ کی جھوٹوں پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مجلس میں ان کو دعوت مباہلہ دی تھی اس میں وہ آپ سے بڑے سخت لہجہ میں اختلاف کر رہے تھے جسے حضرت شاہ صاحب نے جھگڑنے سے ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آداب دعا کے خلاف تھا پس انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر غور و فکر کی مہلت مانگی اور اگلے دن وہ اس طے کردہ مقام پر آئے جہاں انہوں نے اپنا فیصلہ بتانا تھا چنانچہ وہ وہاں آئے اور وہ اپنے اسی کبر و غرور میں تھے اور انہوں نے مباہلہ کرنے پر ہاں نہ کی۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> جب یہ آیت اللہ تعالیٰ نے بھیجی تب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی نصاریٰ کے عالموں کو بلا کر فرمایا کہ جتنا بھی تمہیں سمجھاتا ہوں اور دلیلیں مضبوط سناتا ہوں تم زیادہ جھگڑتے ہو اور دشمن

ہوتے ہو اب آ ؤ جو ہم تم اس طرح قسم کریں اور جھوٹوں پر لعنت کریں خدا تعالیٰ کی، تو سچا اور جھوٹا سب پر معلوم ہو۔ نصاریٰ کے عالموں نے یہ بات قبول کی اور راضی ہوئے اور ایک دن ایک مقام مقرر کیا اور دوسرے دن حضرت محمد ﷺ نے حضرت امام حسین کو گود میں لیا اور حضرت امام حسن کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے اور حضرت علی مرتضیٰ کو ان کے پیچھے لے کر چلے اور فرمایا ان سب کو جب میں دعا مانگوں تو تم چاروں آمین کہو انہوں نے قبول کیا اور ادھر سے جو نصاریٰ کے بڑے بڑے عالم آئے اور ان کو دیکھا اور پکارا اپنی قوم کو کہ اے یارو ان کے مقابلے سے ڈرو آخر کو صلح اس بات پر ٹھہری جو ہر برس میں دوبار دو ہزار دینار اور تیس زرہ دیا کریں گے جزیہ۔ یہ بات لکھ کر صلح ٹھہری اور نصاریٰ نے جزیہ دینا قبول کیا اور مقابلہ نہ کیا۔ (موضح القرآن، آل عمران ۵۸)

اس سے واضح ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی اولاد کو لے کر نکلے وہ مباہلہ پر ان سے ہاں کہلوانے کے لیے نکلے تھے مباہلہ کے لیے نہ نکلے تھے مباہلہ کے لیے نکلنا ہوتا تو آپ حسب بیان قرآن اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لے کر نکلتے اور نصاریٰ کے جن عالموں نے دعوت مباہلہ قبول کرنے کی ہاں کی تھی وہ بھی اپنی عورتوں کو اپنے ساتھ لائے ہوئے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے یہ نصرانی علماء جس کبر وغرور سے حضور ﷺ سے جھگڑتے تھے اس میں اپنی عاجزی کا کوئی اظہار نہ کیا اور ظاہر ہے کہ بہلہ اس بددعا کو کہتے ہیں جس میں اپنی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کوئی لعنت کی دعا کی جائے۔

حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے قرآن کریم کی آیت مباہلہ کے لفظ نبتھل کا یہ ترجمہ کیا ہے:

پھر ہم التجا کریں پس کریں ہم لعنت اللہ تعالیٰ کی جھوٹوں پر۔ (ص ۷۱)

دہلی کے ان برائے دونوں ٹکسالی ترجموں میں عاجزی اور التجا کے الفاظ لفظ مباہلہ کا ترجمہ نہایت صفائی سے بتلا رہے ہیں نجران کے نصاریٰ کا پہلا پیرایہ اختلاف عاجزی کا نہ تھا اور اب جو حضور ﷺ اپنی اولاد کو لے کر نکلے تو اس نے انہوں میں بھی یہ التجاء کی ادا اتار دی اور اب ان کے جزیہ دینے کے اقرار سے ان کے ہر کبر و غرور کا صفایا ہو گیا اسے یوں سمجھئے کہ اس دعوت مباہلہ میں فتح حضور ﷺ کی ہی ہوئی۔

مولانا دریابادی نے تضرع و الحاح کے الفاظ سے مباہلہ کی شرعی حیثیت بیان کی ہے۔ مباہلہ میں ہر فریق اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور تضرع و الحاح کے بعد اسی کے فیصلے کا منتظر رہتا ہے معروف مستشرق ولیم میور حضور ﷺ کی اس دعوت مباہلہ اور اس کے بعد کے سارے حالات کا تجزیہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

سارے واقعہ میں محمد کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے نیز ان کے اس عقیدہ کی شہادت کہ

ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لئے حق تمام تر انہی کے ساتھ ہے درانحالیکہ ان کے پاس بجز ظن وتخمین کے اور کچھ نہ تھا۔(لائف آف محمد ص ۲۶۰ از ولیم میور)

حاصل اس کا یہ ہے کہ مباہلہ اپنی پوری عاجزی اور تضرع والحاح سے عالم غیب کو آواز دینے کا نام ہے اور اس طرح آواز وہی دے سکتا ہے جس کے اپنے اندر اللہ رب العزت کے ہونے کا یقین اس طرح سمایا ہو کہ اس میں کسی شک وتردد کو راہ نہ مل سکے سو مباہلہ میں حضور ﷺ کی فتح پورے اسلام کی صداقت کا ایک جلی نشان ہے۔

## حدیث مباہلہ کی مشکلات:

آیت مباہلہ پر تو حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر آیات کے ضمن میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن حدیث مباہلہ کے عنوان سے اب تک کسی مصنف کی کوئی تالیف راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزری یہ اس عنوان سے پہلی پیشکش ہے جو ہدیہ ناظرین کی جارہی ہے۔

جہاں تک آیت مباہلہ کا تعلق ہے اس میں تین الفاظ زیادہ غور طلب ہیں (۱) ابناء (بیٹے) (۲) نساء (عورتیں) اور (۳) انفس (جانیں)

أنفس جمع ہے نفس کی اب اس صورت میں کم از کم تین افراد أنفس کا مصداق ہونے چاہئیں۔

شیعہ مجتہدین اور ذاکروں نے اب تک أنفس کا مصداق دو فرد بتائے ہیں حضور اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ جب تک کوئی تیسرا فرد ساتھ نہ ہو ان پر أنفس کا لفظ صادق نہیں آسکتا۔

اہل سنت حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لفظ أبناء کے تحت لاتے ہیں داماد کو مجازاً بیٹوں کے ساتھ شمار کیا جاسکتا ہے اس صورت میں أنفس کا مصداق حضور ﷺ اکیلے رہ جاتے ہیں دوسری طرف سے وفدِ نجران کے چودہ افراد ان کے أنفس کا مصداق ٹھہرتے ہیں اب ان کی طرف سے چودہ اور ایک طرف سے صرف ایک...... کسی اچھے مقابلہ کا منظر نہیں ہے۔

یہ پہلی مشکل ہے جو اس آیت مباہلہ میں پیش آرہی ہے۔

علامہ علی حائری کے رسالہ موعظہ مباہلہ میں بھی مباہلہ سے صرف ایک وعظ مراد ہے واقعات مراد نہیں اور علامہ اعجاز حسن بدایونی کی کتاب دفع المجادلہ میں بھی واقعات کی تحقیق نہیں اس لیے مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جواباً اس کے دفع کو کافی سمجھا ہے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں زیادہ قابل اعتماد روایتیں یہ ہیں کہ اس دن آپ ان میں تھے ہی

نہیں اس کے لیے کوفہ کے سب سے بڑے عالم علامہ شعبی سے زیادہ معتبر کسی کی روایت ہو سکتی ہے۔ اسے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا و حسنین رضی اللہ عنہما کا بلانا تو بلا اختلاف صحیح روایات میں مذکور ہے مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بلانا اکثر صحیح روایات میں نہیں ہے۔ (تحفہ اہل سنت ص ۶۲۴)

آگے محدث کبیر حافظ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) رحمہ اللہ کی روایت بھی ملاحظہ کریں:

حدثنا ابن حمید قال حدثنا جریر قال فقلت لمغیرة ان الناس یروون فی حدیث نجران ان علیا کان معهم فقال اما الشعبی فلم یذکره فلا أدری لسوء رأی بنی امیة فی علی أو لم یکن فی الحدیث (تفسیر طبری جلد ۳، ص ۱۹۲)

ترجمہ: ہم سے ابن حمید نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے جریر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے مغیرہ سے کہا کہ لوگ نجران کے قصہ میں روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو انہوں نے کہا کہ شعبی رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا اب میں نہیں جانتا کہ بنی امیہ کا خیال چونکہ علی کی طرف سے خراب تھا اس وجہ سے شعبی نے ان کا ذکر نہ کیا اور یا دراصل وہ تھے ہی نہیں۔

پھر اسی تفسیر میں ایک روایت قتادہ سے منقول ہے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے اتنی بات تو بالیقین ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہاں ہونا مختلف فیہ ہے۔

حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کو بیٹیوں کے ساتھ تو شمار کیا جا سکتا ہے لیکن نساء (عورتوں) میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم میں اس پر نص موجود ہے۔ یانساء النبی لستن کاحد من النساء (الاحزاب: ۳۲)

(۴) آیت کے لفظ أنفسنا کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس میں اپنے ساتھ کم از کم عشرہ مبشرہ کو جو یقینی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے تھے ساتھ لینا ضروری ٹھہرتا ہے تاکہ جس طرح وفد نجران کی طرف سے چودہ افراد سامنے آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی چودہ نہ سہی کم از کم دس تو ضرور ہوں اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو اس سے صاف طور پر یہ سمجھا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا کوئی ساتھی ہم خیال نہ تھا ظاہر ہے کہ ایسی سوچ کسی مسلمان کی نہیں ہو سکتی۔

(۵) حدیث مباہلہ کے واقعات میں تفسیر جامع البیان کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے تفسیر ابن جریر طبری ہی مراد نہیں، اس سے محمد بن عبدالرحمن شیرازی (۹۰۵ھ) بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے پاس ابن جریر طبری اور محمد بن عبدالرحمن

شیرازی کی جامع البیان دونوں موجود تھیں تو کتاب تحفۃ اہلسنت کے صفحہ ۶۴۵ پر شیرازی کی یہ عبارت موجود ہے:

قالوا يا أبا القاسم قد رأينا أن لا نلاعنك وأن نتركك على دينك ونرجع على ديننا ونبذل لك الخراج. (جامع البیان جلد ا، ص ۲۵۶)

ترجمہ: وفد نجران نے کہا اے ابا القاسم ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم تیرے ساتھ ملاعنہ (لعنت کی بددعا) نہ کریں اور یہ کہ ہم آپ کو آپ کے دین پر رہنے دیں اور ہم اپنے دین پر قائم رہیں اور ہم آپ کو سالانہ خراج دیا کریں۔

علامہ جار اللہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری (۵۳۸ھ) کی روایت میں ملاعنہ کی بجائے مباہلہ کا لفظ ہے:

يا أبا القاسم رأينا أن لا نباهلك وأن نقرك على دينك ونثبت على ديننا قال فاذا أبيتم المباهلة فأسلموا يكن لكم ما للمسلمين وعليكم ما عليهم فابوا قال فاني اناجزكم فقالوا ما لنا بحرب العرب طاقة ولكن نصالحك على ان لا تغزونا ولا تخيفنا ولا تردنا عن ديننا على ان نؤدي اليك كل عام الفي حلة الف في صفر والف في رجب وثلاثين درعا عادية من حديد فصالحهم على ذالك. (الکشاف جلد اول، ص ۵۶۶)

ترجمہ: اے ابوالقاسم ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں آپ کو اپنے دین پر رہنے دیں اور خود اپنے دین پر رہیں آپ نے کہا اگر تم مباہلہ سے انکار کرتے ہو تو تم مسلمان ہو جاؤ تمہیں وہی کچھ ملے گا جو دوسرے مسلمانوں کو ملے گا انھوں نے اس کا انکار کیا آپ نے کہا کہ میں پھر تم سے لڑائی کروں گا اس پر انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس لڑنے کی طاقت نہیں لیکن ہم آپ سے اس پر صلح کرتے ہیں کہ ہم سے آپ نہ جنگ کریں اور نہ ہمیں اپنے دین سے ہٹائیں ہم آپ کو ہر سال دو ہزار جوڑے ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں اور تیس زرہیں لوہے کی ہر سال دیا کریں گے آپ نے اس پر ان سے صلح کر لی۔

اس پر ہم حدیث مباہلہ کی بحث کو ختم کرتے ہیں۔

# (۱۲) حدیث خروجِ امام مہدی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ءٰآللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ ... اَمَّا بَعْدُ!

حضرت مہدی علیہ الرضوان کے بارے میں اہل سنت اور اثنا عشری شیعوں میں نہایت اہم اور ایک بنیادی اختلاف ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ وہ پیدا ہوں گے اور ایک سیاسی شخصیت ہوں گے اور اپنی سیاستِ عادلہ سے وہ دنیا کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ آج ظلم وجور سے بھری ہوئی ہے۔ ان کا سیاسی دورِ عمل پانچ سال، سات سال یا نو سال کا ہوگا۔ ان کا سیاسی میدان میں نکلنا بطور خروج ہوگا بطور ظہور نہ ہوگا۔

شیعہ ان کے ظہور کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے عقیدہ میں وہ اس وقت کسی غار میں اپنی غیبتِ کبریٰ میں چھپے بیٹھے ہیں۔ ان کے عقیدہ میں وہ گیارھویں امام حسن عسکری (260ھ) کے بیٹے ہیں اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی طرح ایک لمبی عمر کے دورانیہ سے گزر رہے ہیں۔ قیامت کے قریب وہ اس غار سے نکلیں گے اور اس وقت بہت سے پہلے مرحومین کا دوبارہ اس دنیا میں آنا ہوگا۔ اسے وہ اپنے عقیدہ میں رجعت کہتے ہیں۔ دورِ رجعت پر عقیدہ رکھنا بقول ملا محمد باقر مجلسی ان کے ہاں ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ جو شخص رجعت پر عقیدہ نہ رکھے ان کے ہاں وہ شیعہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ ان کے عقیدہ میں ان کا ظہور ایک خونی مہدی کے طور پر نکلنا ہے جو اپنے دشمنوں سے اسی دنیا میں انتقام لیں گے۔

اہلِ سنت کے ہاں خروجِ مہدی کا عقیدہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں لیکن یہ ایسا عقیدہ بھی نہیں کہ اس کا انکار کیا جائے۔ بعض لوگوں کی تحقیق یہ ہے کہ مہدی کے بارے میں جملہ احادیث موضوع ہیں۔ یہ بات درست نہیں۔ اس کے لیے ہمارے دورہ حدیث کے طلبہ کو اہلِ سنت کی کتاب سنن ابی داؤد کے مرتبہ ومقام پر پوری نظر رکھنی چاہیے۔

## اہلِ سنت کے دورہ حدیث میں سنن ابی داؤد کا مقام ومرتبہ

اہل سنت کی کتبِ حدیث میں پہلی دو کتابیں صحیحین کہلاتی ہیں۔ ان کے بعد سنن ابی داؤد ہے۔ اس

کا نام گو صحیح ابی داؤد نہیں لیکن اس کی بھی سب حدیثیں بایں طور صحیح ہیں کہ اس میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ مہدی کے بارے میں روایت کی گئی سب حدیثیں موضوع ہیں۔ایسا نہیں! حضرت مولانا فیض الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک نہایت نفیس مقدمہ لکھا ہے۔آپ اس کی دوسری فصل میں لکھتے ہیں:

قال ابو داؤد کتبت عن رسول اللہ ﷺ خمس مأة الف حدیث انتخبت منها ما ضمنته هذا الکتاب وجمعت فی کتابی هذا اربعة آلاف حدیث وثمان مأة حدیث الصحیح وما یشبهه ویقاربه (ص ۳)

ترجمہ: ابو داؤد کہتے ہیں میں نے پانچ لاکھ حدیثیں حضور ﷺ کی لکھی ہیں ---۔ اور اپنی اس کتاب (سنن ابی داؤد) میں چار ہزار اور آٹھ سو احادیث انتخاب کی ہیں جو صحیح اور اس کے قریب قریب درجے کی ہیں۔

اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ اس کی سب حدیثیں صحیح یا اس کے قریب قریب کی ہیں۔اس کو یوں سمجھئے کہ جس طرح حدیث کی کتابوں میں پورا پورا باب اس طرح ہے کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ۔اسی طرح سنن ابی داؤد کا پورا باب کتاب المہدی ہے، اس سے آگے پورا باب کتاب الملاحم ہے۔

اس کے کتاب المہدی میں پہلی روایت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ (......ھ) کی ہے کہ یہ دین بارہ حکمرانوں تک قائم رہے گا اور ان میں سے ہر ایک پر پوری امت متفق رہے گی اور یہ ۱۲ حکمران سب قریش میں سے ہوں گے یعنی ان کا مقسم قریب قریش ہوگا، بنو ہاشم نہیں۔اور اس حدیث پر ہم دوازدہ حدیث کے نمبر ۵ پر تفصیلی بحث کر آئے ہیں۔

حضرت زر بن حبیش حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذٰلك الیوم حتیٰ یبعث رجلا منی او من اهل بیتی یواطیٔ اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی یملأ الأرض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلما وجوراً (سنن ابی داؤد جلد ۲، ص ۲۳۲)

ترجمہ: اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہے تو اس دن کو اللہ تعالیٰ اتنا طویل کر دے گا یہاں تک کہ وہ میرے اہل بیت سے ایک ایسا شخص کھڑا کرے کہ اس کا نام میرے نام پر (محمد) ہو اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر (عبداللہ) ہو۔وہ زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح یہ آج ظلم وجور سے بھری ہوئی ہے۔

یہ حدیث کوئی ضعیف حدیث نہیں ہے۔یہ اس کتاب میں ہے جس کے بارے میں حسن بن

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

رأیت رسول اللہ ﷺ فی المنام یقول من أراد أن یستمسك بالسنن فلیقرأ سنن ابی داؤد.

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ فرما رہے تھے جو چاہے کہ میرے طریقوں پر چلے اسے چاہیے کہ سنن ابی داؤد پڑھے۔

اور یحییٰ بن زکریا بن یحییٰ الساجی کہتے ہیں:

اصل الاسلام کتاب اللہ سبحانہ وعمادہ سنن ابی داؤد

ترجمہ: اسلام کی جڑ قرآن کریم ہے اور اس کا ستون سنن ابی داؤد ہے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نام بڑا روشن ہے۔ جب آپ نے ابوداؤد کی یہ کتاب دیکھی تو آپ نے اس کی بہت تحسین فرمائی۔ سو اس کتاب میں حضرت امام محمد مہدی کے خروج کی خبر ایسی نہیں کہ اس کا کسی طور سے انکار کیا جاسکے۔ جامع ترمذی میں بھی حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان فی امتی المھدی یخرج یعیش خمساً أو سبعاً أو تسعاً ھذا حدیث حسن۔

(جامع ترمذی جلد ۲، ص ۶۴)

ترجمہ: میری امت میں مہدی ہوں گے جو پانچ سال یا سات سال یا نو سال حکمرانی کریں گے۔

یہ حدیث موضوع یا ضعیف نہیں، حسن درجے کی ہے۔

ان کی اس طویل سیاسی حکمرانی سے پتہ چلتا ہے کہ آخر میں ایک دفعہ پھر دورِ خیر آئے گا اور اس میں ظلم و جور ختم ہوگا اور عدل و انصاف قائم ہوگا۔

## مہدی کے اس دور کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ تفضیل آئمہ

حضرت مہدی کے اس روشن سیاسی کام سے اثنا عشری شیعوں نے اپنا عقیدہ تفضیلِ آئمہ وضع کیا ہے کہ وہ کام جو حضرت خاتم النبیین ﷺ بھی اپنے وقت میں نہ کر سکے (یعنی عدل و انصاف کا قیام) وہ حضرت امام مہدی کر دکھائیں گے۔ ان کے روح اللہ الخمینی نے اپنے رسالہ ''اتحاد و یک جہتی'' میں اسے اس طرح بیان کیا ہے:

جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لئے آئے۔ ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا

نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ختم المرسلین جو انسان کی اصلاح کے لئے آئے تھے اپنے زمانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ (اتحاد و یک جہتی ص ۱۵، شائع کردہ خانہ فرہنگ ایران)

روح اللہ خمینی کا یہی عقیدہ ان کی تحریک اسلامی کی ناکامی کا باعث ہوا۔

## شیعوں کا عقیدہ رجعت قرآن کریم کے خلاف ہے

حضرت آدم اور حضرت حواء جب جنت سے نیچے اتارے گئے تو انہیں بتایا گیا تھا کہ اب تم زمین میں ہی رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم (جس وقت قبریں کھلیں گی) اٹھائے جاؤ گے۔ اگر ایک دفعہ پھر اس زمین پر زندگی پانا ہوتا تو انہیں تخرجون کہہ کر اس دن سے وابستہ نہ کیا جاتا جب سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے:

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ○ (پ۸، الاعراف ۲۵)

زمین پر جب انسان موت آشنا ہوا تو اب وہ یہاں سے اس وقت اٹھایا جائے گا جب قبروں سے سب کا اٹھنا ہوگا۔ قرآن کریم میں اس قبروں کے کھلنے کی اس طرح خبر دی گئی ہے:

وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ (پ۳۰، انفطار)

ترجمہ: اور جب قبریں کریدی جائیں گی۔ (جو چیز زمین کی تہہ میں ہے اوپر آجائے گی)

اب یہ کیسے مان لیا جائے کہ مرنے کے بعد ایک دفعہ پھر اس دنیا میں آنا ہوگا اور اس میں مظلوم اپنے پر کئے گئے مظالم کا بدلہ اپنے ظالموں سے لیں گے۔ فیصلے کا دن تو آخرت میں ہے اسی کو ہم یوم الدین کہتے ہیں اور ہر نماز میں کہا جاتا ہے مالک یوم الدین کہ فیصلے کا دن آگے ہے اس دنیا میں نہیں۔

## شیعوں کا ایک خونی مہدی آنے کا تصور

ابن بابویہ در علل الشرائع روایت کردہ است از حضرت امام محمد باقر کہ چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا بروحد بزند وانتقام فاطمہ را از وبکشد (حق الیقین ص ۳۴۷)۔۔۔۔۔

چوں قائم آل محمد بیرون آید خدا اورا یاری کند بملائکہ واول کسے کہ باو بیعت کند محمد باشد وبعد از ان علی وشیخ طوسی ونعمانی از حضرت امام رضا روایت کردہ اند کہ از علامات ظہور حضرت قائم آن ست کہ بدن برہنہ در پیش قرص آفتاب ظاہر خواہد شد ومنادی ندا خواہد کرد کہ ایں امیر المؤمنین است برگشتہ است کہ ظالمان را ہلاک کند (ایضاً ص ۳۴۷)

ترجمہ: ابن بابویہ نے علل الشرائع میں امام باقر سے روایت کیا ہے کہ جب ہمارے امام مہدی (غار سے) باہر نکلیں گے عائشہ کو زندہ کریں گے تاکہ اس پر حد جاری کریں اور اس سے فاطمہ

کا انتقام لیں (استغفر اللہ) ۔۔۔۔ جب قائم آلِ محمد (غار سے) باہر نکلیں گے خدا ان کی فرشتوں سے مدد کریگا اور پہلا جو شخص ان سے بیعت کرے گا وہ حضور ﷺ ہونگے ۔ ان کے بعد حضرت علی ان سے بیعت کریں گے اور حضرت امام رضا سے روایت ہے کہ امام مہدی کے ظہور کا نشان یہ ہوگا کہ ان کا ننگا بدن سورج کی ٹکیہ کے سامنے کھلا ہوگا اور منادی ندا کرے گا کہ یہ امیر المؤمنین ہیں اور آپ نکلے ہیں کہ ظالموں کو ہلاک کریں (ان سے انتقام لیں)

یہ گستاخانہ باتیں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام رضا نے ہرگز نہ کہیں ہوں گی یہ حضرات اہلِ سنت عقائد کے تھے ۔ شیعہ عقائد کے نہ تھے ۔ بارھویں امام کو اپنے وقت کا اس طرح امیر المؤمنین قرار دینا کہ خود حضور سید لولاک بھی ان سے بیعت کریں اور حضرت علی مرتضیٰ بھی ۔۔۔ ان کی یہ بے ادبی اور گستاخی بھی کوئی کم نہ تھی، اس پر پھر یہ اضافہ کہ مہدی اس وقت ننگے ہوں گے جب حضور ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی بیعت کریں گے ۔ اس سے زیادہ شیعہ مذہب کے ایک یہودی سازش ہونے اور ایک باطل فرقہ ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟ یہ سب لایعنی باتیں اثنا عشریوں کے عقیدہ تفضیل کے کڑوے پھل ہیں جو حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب آفتابِ ہدایت میں نمایاں کئے ہیں اور ہر خاص وعام کو بتائے ہیں ۔ اب ہم انہیں جناب ڈھکو صاحب کے سامنے رکھ رہے ہیں اگر ان کے ہاں تقیہ کا عمل اعلیٰ درجے کی عبادت نہ ہوتی تو وہ یقیناً حضرت امام محمد باقر اور امام رضا کے نام پر گھڑی ہوئی ان خرافات کو دیکھتے ہی یکسر اپنے شیعہ مذہب کی اس سیاہ چادر کو اتار دیتے ۔ و کفیٰ باللہ شہیداً

صرف حضور ﷺ اور حضرت علی کا ننگے مہدی کی بیعت کرنا ہی نہیں انہوں نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء کے نام سے حضرت علی کے خلاف ایسے غلیظ کلمات گھڑے ہیں کہ کوئی شریف زبان ان کی اجازت نہیں دے سکتی چہ جائیکہ حضرت سیدہ فاطمہ کی کوثر سے دھلی ہوئی پاکیزہ زبان یہ بائیں کہے کہ معاذ اللہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا:

مانند جنین دررحم پردہ نشیں شدہ؟ ومثل خائناں درخانہ گریختہ ای وبعد ازانکہ شجاعان دہورا بخاک ہلاک افگندی مغلوب ایں نامرداں گردیدہ (حق الیقین ص ۲۰۳)

ترجمہ: رحم مادر میں پڑے ناپختہ بچے کی طرح پردہ نشین ہوئے بیٹھے ہو ۔۔۔۔۔ خیانت کرنے والوں کی طرح گھر بھاگ آئے ہو اور ان نامردوں سے تم ہار گئے ہو ۔

کیا ایسے کلمات حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جو جنت کی سردار عورتوں میں سے ہوں گی توقع کئے جاسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں!

## ان کے عقیدہ رجعت کو ان آیات کی روشنی میں بھی سمجھئے

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ○ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ○ (پ۱۷، الانبیاء۹۶)

ترجمہ: اور مقرر ہو چکا ہر بستی پر جس کو غارت کیا ہم نے کہ وہ پھر کر نہیں آئیں گے۔ (ان کی یہاں رجعت نہیں ہوگی)

اس پر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

پہلے نجات پانے والے مؤمنین کا ذکر تھا اس کے بالمقابل اس آیت میں ہلاک ہونے والے کافروں کا ذکر ہے جن کے لیے ہلاک اور غارت ہونا مقدر ہو چکا وہ کبھی اپنے کفر وعصیاں کو چھوڑ کر اور توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع کرنے والے نہیں، نہ وہ کبھی دنیا میں اس غرض سے واپس کئے جاسکتے ہیں کہ دوبارہ یہاں آ کر گزشتہ زندگی کی تقصیرات کی تلافی کر لیں پھر ان کی نجات وفلاح کی توقع کدھر سے ہوسکتی ہے۔ اس کے لیے تو صرف ایک ہی وقت ہے۔۔۔۔ وہ وقت قیامت کا ہے جس کے مبادی قریبہ میں خروجِ یاجوج ماجوج۔۔۔۔۔۔ سد ذوالقرنین توڑ کر یاجوج ماجوج کا لشکر ٹوٹ پڑے گا۔

یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ اس دنیا میں وفات پانے والے اعلیٰ درجے کے مؤمنین اور انتہائی نچلے درجے کے منکرین پھر اس دنیا میں واپس کئے جائیں گے۔ اور حضرت مہدی ایک خونی ادا میں ان سے اہلِ بیت کے حقوق غصب کرنے کا انتقام لیں گے۔ تمام مسلمانوں کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ یہاں کے اچھے اور برے اعمال کا حساب اس دن ہوگا جو فیصلے کا دن ہے۔ جسے یوم الدین کہتے ہیں۔ اور ہر نمازی اپنی نماز کو اس عقیدے پر ختم کرتا ہے، یوم یقوم الحساب۔ (اس دن جب حساب کی گھڑی قائم ہوگی) اس گھڑی کو اس دنیا میں ٹھہرانا یہ وہ عقیدہ رجعت ہے جس پر اثنا عشریوں نے عوام کو ایک خونی مہدی کا عقیدہ دے رکھا ہے۔ اس گھڑی کے ساتھ یاجوج ماجوج کے نکلنے کا ذکر بتلاتا ہے کہ وہ گھڑی آخرت کی ایک گھڑی ہے اسی کا نام یوم الحساب ہے وہ اس دنیا کی گھڑی نہیں ہے اور نہ اس دنیا میں اس دنیا کے وفات یافتہ لوگوں میں سے پھر کسی نے آنا ہے۔

اپنے عوام کو مغالطہ دینے کے لیے یہ لوگ اس آیت سے بھی اپنے عقیدہ رجعت پر دلیل لاتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ (پ۲۰، القصص ۸۵)

اس آیت میں مکہ سے نکلنے والے کو بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے پھر مدینہ سے مکہ لائے گا۔

مدینہ اور مکہ دونوں اسی زمین کے دو شہر ہیں۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ جہان نہیں ہیں۔ دنیا اور آخرت دو علیحدہ علیحدہ جہاں ہیں دنیا کے وفات یافتگان اس دنیا سے جا چکے وہ اس دنیا میں دوبارہ زندہ کر کے نہ لائے جائیں گے۔ اثناعشریوں کے پاس اپنے عقیدہ رجعت پر قرآن وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ جس طرح انہوں نے اسلام کے عقیدہ توحید کو عدل سے بگاڑا عقیدہ نبوت کو امامت سے بگاڑا، آخرت کو رجعت سے آلودہ کر کے گویا سارے اسلام کو ہی بدل دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے یہودیوں کی سازش کارفرما ہے جو اسلام کو اس کے بیخ و بن سے اکھڑا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اس پر ان کے عقیدہ رجعت کی بحث ختم کرتے ہیں۔ جو لوگ کسی غلط فہمی سے شیعیت کی آغوش میں گئے اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ عطا فرمائے اور توبہ کی توفیق دے۔

اسلامی عقیدہ کی رو سے امام مہدی کی پہچان یہ ہوگی کہ ان کے عہد میں حضرت عیسیٰ بن مریم آسمان سے اتریں گے، دجال نکلے گا اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ مال اتنا بڑھ جائے گا کہ اسے کوئی لینے والا نہ ہوگا اور خنزیر کا کوئی کھانے والا نہ ہوگا۔ امن وامان ایسا ہوگا کہ دینی لڑائیاں یکسر بند ہوں گی، سانپ کاٹنے والے ناپید ہوں گے۔

یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا<br>
بھولیں گے لوگ مشغلہ تیر وتفنگ کا

# نبوت اور المہدویت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ ... أَمَّا بَعْدُ!

تاریخ بنی آدم میں ہدایت کا ذریعہ ہمیشہ نبوت رہی ہے۔قرآن کریم میں بھی پہلے یہ بتادیا گیا:

الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ○

ترجمہ: اس کتاب میں کچھ شک نہیں اس میں ہدایت ڈرنے والوں کے لیے۔

لیکن ختمِ نبوت کے بعد کہ اب حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا، مسلمانوں میں جب بھی کوئی بنیادی اختلاف اٹھا تو کسی نہ کسی ہدایت پر لانے والے کی تلاش ہوئی۔ اسی کو باعتبار وصف المہدی کہا گیا۔ جس طرح نبوت کے کئی جھوٹے دعویدار ہوتے رہے المہدویت کے بھی کئی جھوٹے دعویدار ہوتے رہے۔

احادیث میں ایک سچے امام مہدی کی بھی خبر چلی آرہی ہے اس پر علماء حق میں یہ مسئلہ اٹھا کہ سچے مہدی کی علامات کیا ہیں اور وہ کس طرح پہچانا جائے گا۔ ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ہی کتاب وسنت کا صحیح ترجمان رہا ہے اور دہلی کو ہی بیت علمِ حنفیہ کہا گیا۔ اسی خاندان کے ایک مقتدر بزرگ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (۱۲۳۳ھ) رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ ان کی ایک مختصر فارسی کتاب ''قیامت نامہ'' کے نام سے اہلِ علم کے ہاتھ لگی اس میں انہوں نے نہایت واضح طور پر حضرت امام مہدی کی کچھ نشاندہی کی ہے:

> حضرت امام مہدی سید اور اولادِ فاطمہ میں سے ہوں گے۔ آپ کا قدوقامت قدرے لمبا، بدن چست، رنگ کھلا ہوا اور چہرہ پیغمبر خدا ﷺ کے چہرے کے مشابہ ہوگا۔ نیز آپ کے اخلاق پیغمبر خدا ﷺ سے پوری مشابہت رکھتے ہوں گے۔ آپ کا اسم شریف محمد، والد کا نام عبداللہ، والدہ کا نام آمنہ ہوگا زبان میں قدرے لکنت ہوگی جس کی وجہ سے تنگدل ہو کر کبھی کبھی ران پر ہاتھ ماریں گے۔ آپ کا علم لدنی ہوگا (خداداد ہوگا کسی استاد کا پڑھایا ہوا نہ ہوگا) (قیامت نامہ حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ)

علماء دیوبند محدثین دہلی کے ہی علمی وارث سمجھے جاتے ہیں اس لئے جب کسی نے جھوٹا دعویٰ مہدویت

کیا پہلے علماء دیوبند ہی اس کے خلاف اٹھے۔ ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے تعاقب میں پہلے لدھیانہ کے دیوبندی علماء رحمہم اللہ اٹھے پھر علمائے دیوبند رحمہم اللہ سامنے آئے اور علمی طور پر انہوں نے ہی قادیانیوں کا مقابلہ کیا۔

## خلافت راشدہ کے بعد عربوں میں اختلافات کیسے اٹھے؟

عربوں میں جناب عبد مناف کی اولاد میں ہاشمیوں اور امویوں میں جو اختلافات پہلے تھے وہ اسلام کی برکت سے ختم ہو چکے تھے۔ خلافت راشدہ کے بعد پھر سے نئے اختلافات سامنے آئے۔ ہاشمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے قیادتِ اسلامی کے زیادہ حقدار سمجھے جاتے تھے۔ ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد آگے آ گئی تھی۔ حکومت اس وقت امویوں کے ہاتھ میں تھی۔ جب ہاشمی اور اموی اختلاف میں ہاشمی جیت گئے تو حسبِ عہد عباسیوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کو آگے نہ کیا۔ عباسی خود اقتدار میں آ گئے۔ خلافتِ عباسیہ کا بانی عبداللہ سفاح کو سمجھا جاتا ہے جو اپنے بھائی ابراہیم کا جانشین ہوا۔ عبداللہ سفاح کا اصل سرپرست ابومسلم خراسانی تھا اور عبداللہ سفاح اس کے مشوروں پر چلتا تھا۔ اس کے بعد امین پھر ہارون الرشید اور مامون الرشید سامنے آئے۔

اس وقت موضوع یہ نہیں کہ خلافتِ عباسی کس طرح ایک مضبوط خلافت بنی۔ ان میں خلیفہ ابوجعفر منصور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہم عصر تھا۔ اس دور میں محمد مہدی نفسِ زکیہ کا نام سامنے آتا ہے۔ چونکہ اس کا نام مہدی تھا اس لئے آگے یہ بات چل نکلی کہ شاید یہی مہدی موعود ہے جس کی خبریں احادیث میں چلی آ رہی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ امام مہدی کے بارے میں زیادہ روایات ضعیف ہیں لیکن حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تصریح کے بعد اس کی اصل کا انکار کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ زبدۃ المحدثین حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب ترجمان السنہ کی چوتھی جلد میں ایک باب حضرت امام مہدی پر قائم کیا ہے اور اس میں ص ۳۷۲ سے ص ۴۲۴ تک اس پر اپنی پوری محدثانہ شان سے قلم اٹھایا ہے۔ ص ۳۸۴ پر یہ باب باندھا ہے: "اسم المهدی ونسبه وحليته الشريفه"

ہم اس وقت صرف یہ بتلا رہے ہیں کہ جس طرح نبوت کے جھوٹے دعوے ہوتے رہے، اسی طرح ختمِ نبوت کے بعد المہدویت کے جھوٹے دعوے بھی ہونے لگے جن میں ایک دعویٰ مرزا غلام احمد قادیانی کا بھی ہے جس نے اپنے دعویٰ المہدویت کے ضمن میں اپنے لئے دعوئے نبوت کی راہ نکالی۔ مرزا غلام احمد کے

بیٹے بشیر احمد ایم اے نے اپنے باپ کی زندگی پر ترتیب وار کچھ روایات جمع کی ہیں اور اس کا نام ''سیرت المہدی'' رکھا ہے۔ یہ تین حصوں میں ہے اور قادیانیوں کی ایک بڑی دستاویز ہے۔ ہم نے اپنے مطالعہ قادیانیت کے دوران تلاش کی کہ شاید قادیانیوں نے مرزا غلام احمد کی سیرت پر کوئی کتاب سیرت المسیح کے نام سے بھی لکھی ہو لیکن ہم نے وہ کہیں لکھی نہ پائی اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن و حدیث میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے وہ واقعات جو ان سے ان کے نزول کے بعد واقع ہوں گے وہ سراسر قادیانیوں کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ انہیں یکجا جمع کرنا قادیانیوں کا اپنے سے ہی ٹکرانا تھا اس لئے انہوں نے اس نام سے کوئی رسالہ تک نہیں لکھا۔

مثلاً حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ان وقائع میں صحیح حدیث میں ملتا ہے کہ وہ حج یا عمرہ کریں گے اور فج الروحاء (عرب کا ایک مقام) سے اپنا احرام باندھیں گے اور مرزا صاحب کو اپنی زندگی میں ارضِ حرم میں جانا نصیب نہ ہوا۔ جب سے اس نے قادیان کو مکہ اور مدینہ کے برابر ایک تیسرا مقدس شہر ٹھہرایا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے حرم میں داخل ہونے سے ہی روک لیا۔ حضرت مولانا بدرِ عالم مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> رب العالمین کی یہ عجیب حکمت ہے کہ جب کسی اہم شخصیت کے متعلق کوئی پیشگوئی کی گئی ہے تو اس کی اس آزمائشی زمین پر ہمیشہ اس نام کے کاذب مدعی چاروں طرف سے پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں اور اس طرح ایک سیدھی بات آزمائشی منزل بن کر رہ گئی ہے۔۔۔۔۔
> جب حضرت امام مہدی کے حق میں پیشگوئی کی گئی تو گذشتہ زمانے میں یہاں بھی بہت سے اشخاص مہدویت کے مدعی پیدا ہو گئے چنانچہ محمد بن عبداللہ یہ النفس الزکیہ کے لقب سے مشہور تھا۔۔۔ اسی طرح محمد بن سرتوت، عبیداللہ بن میمون قداح، محمد جونپوری وغیرہ نے اپنے اپنے زمانے میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ (ترجمان السنہ جلد ۴، ص ۳۸۱)

## مہدی صرف ایک لقب ہے اسم علم اور نام نہیں

جب بھی کسی نزاع و اختلاف میں کسی صحیح رہنما کی ضرورت محسوس ہوئی تو جو اس خدمت کے لئے سامنے آیا مہدی سے ملقب کر لیا گیا لیکن یہ بات اپنی جگہ رہی ہے کہ یہ وہ شخصیت نہیں تھا جو قیامت کے قریب اٹھے گا اور جس کا نام محمد ہوگا اور اس کے ماں باپ کا نام عبداللہ اور آمنہ ہوگا۔ پھر بھی کوئی نادان اس کے اچھے کاموں کے باعث اسے آخری دور کا مہدی ہی سمجھنے لگے اس صورتِ حال نے مہدی کے موضوع کو مسلمانوں میں اور بھی پیچیدہ کر دیا۔ تاہم ان مباحث سے حضرت امام مہدی کے سیاسی وجود کا انکار نہیں کیا جا سکتا جو ایک سیاسی قوت بن کر ابھریں گے اور دنیا میں ایک مختصر سی مدت کے لئے عدل و

انصاف کا دور پھر آئے گا۔

حضرت امام مہدی اپنے وقت میں ایک حکمران ہونگے اور ان کا عہد حکومت ایک عدل و انصاف کا دور ہوگا اور پورے کرۂ ارض پر محیط ہوگا۔ حضرت مولانا بدرِ عالم مدنی (۱۳۸۵ھ) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

تمام زمین حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عدل و انصاف سے (بھر جائے گی) منور و روشن ہوجائے گی۔ ظلم و بے انصافی کی بیخ کنی ہوگی۔ تمام لوگ عبادت و طاعت الٰہی میں سرگرمی سے مشغول ہوں گے۔ آپ کی خلافت کی میعاد سات یا آٹھ یا نو سال ہوگی۔

واضح رہے کہ سات سال عیسائیوں کے فتنے اور ملک کے انتظام میں، آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ و جدال میں اور نواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گزرے گا۔ اس حساب سے آپ کی عمر ۴۹ سال کی ہوگی۔ بعد ازاں امام مہدی علیہ السلام کی وفات ہوجائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے جنازے کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے۔ اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے۔ (رسالہ علامات قیامت مؤلفہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہ)

## اہلِ سنت کا امام مہدی کے بارے میں مؤقف

حضرت مولانا سید بدرِ عالم مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہاں جب آپ اس خاص تاریخ سے علیحدہ ہوکر نفسِ مسئلہ کی حیثیت سے احادیث پر نظر کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امام مہدی کا تذکرہ سلف سے لے کر محدثین کے دور تک بڑی اہمیت کے ساتھ ہمیشہ ہوتا رہا ہے حتیٰ کہ امام ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ وغیرہ نے امام مہدی کے عنوان سے ایک ایک باب ہی علیحدہ قائم کیا ہے۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

شارح عقیدہ سفارینی نے امام مہدی کی تشریف آوری کے متعلق معنوی تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور اس کو اہلِ سنت والجماعۃ کے عقائد میں شمار کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

امام مہدی کے خروج کی روایتیں اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ اس کو معنوی تواتر کی حد تک کہا جاسکتا ہے اور یہ بات علمائے اہلِ سنت کے درمیان اس درجہ مشہور ہے کہ اہلِ سنت کے عقائد میں ایک عقیدے کی حیثیت سے شمار کی گئی ہے۔ ابونعیم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہم نے صحابہ و تابعین سے اس باب میں متعدد روایتیں بیان کی ہیں جس کے مجموعے سے

امام مہدی کی آمد کا قطعی یقین حاصل ہوجاتا ہے۔(شرح عقیدہ السفارینی ص۷۹،۸۰)

حضرت مولانا بدرِ عالم ﷫ نے پھر صحیح مسلم کے حوالے سے بھی لکھا ہے:

صحیح مسلم میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے تو اس وقت مسلمانوں کا ایک امیر امامت کے لیے مصلے پر آچکا ہوگا تو اب جب حدیثوں میں اس خلیفہ کا نام امام مہدی بتایا گیا ہے، یقیناوہ اسی مبہم خلیفہ کا بیان کہا جائے گا۔۔۔۔۔۔امام ابوداؤد نے بارہ خلفاء کی حدیث کو امام مہدی کے باب میں ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ بارہویں خلیفہ امام مہدی ہیں۔(ترجمان السنہ جلد ۴،ص۳۷۱)

ان روایات سے شیعہ کے اس مؤقف کی کھلی تردید ہوجاتی ہے کہ مہدی کسی امام غائب کا نام ہے۔ ۔۔۔۔۔ان کی عیسائیوں کے ساتھ ایک خونریز جنگ اور پھر ان کی فتح اور پھر ان کا قسطنطنیہ کی فتح کے لیے نکلنا یہ ایسے سیاسی کام ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی امام غائب کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔اہلِ سنت امام مہدی کی اس شان پر عقیدہ رکھیں تو اس میں بھی روافض کی ہی ایک کھلی تردید ہے۔جو علماء عالم ہوتے ہوئے بھی امام مہدی کی جملہ روایات کو ضعیف کہہ دیتے ہیں ان کی اس بات سے بھی شیعوں کو ہی کچھ قوت ملتی ہے۔

حضرت مولانا بدرِ عالم مدنی نے بھی ان روایات کو یہ قوت دے کر ان سے ہی نتیجہ اخذ کیا ہے:

البتہ روافض نے جو اور بے تکی باتیں اس میں اپنی جانب سے شامل کرلی ہیں تو ان کا نہ تو کوئی ثبوت نقل ہیں ہے، نہ عقل ان کو باور کرسکتی ہے صرف ان کی تردید میں کسی ثابت شدہ مسئلہ کا انکار کردینا یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے۔(ترجمان السنہ جلد ۴،ص۳۷۶)

حضرت مولانا ﷫ نے اپنے اس مؤقف پر پھر نوشواہد پیش کئے ہیں اور آخر میں غار کے امام غائب کا عقیدہ رکھنے والوں کی بڑے نفیس پیرائے میں تردید کی ہے۔آپ لکھتے ہیں:

رب العالمین کی یہ عجیب حکمت ہے کہ جب کسی اہم شخصیت کے متعلق کوئی پیشگوئی کی گئی ہے تو اس کی اس آزمائشی زمین پر ہمیشہ اس نام کے کاذب مدعی چاروں طرف سے پیدا ہونے شروع ہوگئے ہیں اور اس طرح ایک سیدھی بات آزمائشی منزل بن کر رہ گئی۔مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صریح سے صریح الفاظ میں پیشگوئی کی گئی جس میں کسی دوسرے شخص کی آمد کا کوئی احتمال ہی نہیں ہوسکتا تھا اس کے باوجود نہ معلوم کتنے مدعی مسیحیت پیدا ہوگئے۔آخر یہ ایک سیدھی پیشگوئی ایک معمہ بن کر رہ گئی۔اسی طرح جب حضرت امام مہدی کے حق میں پیشگوئی کی گئی تو گذشتہ زمانے میں یہاں بھی بہت سے اشخاص مہدویت کے مدعی پیدا ہوگئے

چنانچہ محمد بن عبداللہ یہ النفس الزکیہ کے لقب سے مشہور تھا۔ اسی طرح محمد بن مرتوت، عبیداللہ بن میمون قداح، محمد جونپوری وغیرہ نے اپنے اپنے زمانے میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔۔۔۔۔
رافضی جماعت کا تو مستقل یہ ایک عقیدہ ہے کہ محمد بن حسن عسکری مہدی موعود ہے۔ امام حسن عسکری ان کے گیارھویں امام ہیں۔ ان کے خیالات کے مطابق وہ اپنے طفولیت کے زمانے ہی سے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو کر کسی مخفی غار میں پوشیدہ ہیں اور یہ جماعت آج تک انہی کے ظہور کی منتظر ہے اور مصیبتوں میں انہی کو پکارتی پھرتی ہے۔ ان مفترین کی تاریخ اور روافض کی اس وہم پرستی اور بے بنیاد عقیدہ کی وجہ سے بعض اہلِ علم کے ذہن اس طرف منتقل ہو گئے کہ اگر علمی لحاظ سے مہدی کے وجود ہی کا انکار کر دیا جائے تو اس تمام بحث و جدل سے امت مسلمہ کی جان چھوٹ جائے اور روزمرہ نئی نئی آزمائشوں کا اس کو مقابلہ نہ کرنا پڑے۔
(ترجمان السنہ جلد ۴، ص ۳۸۱)

علامہ ابنِ خلدون (808ھ) نے جو امام مہدی کے وجود کا انکار کیا ہے وہ غالباً اسی وجہ سے کیا ہے نہ کہ کسی علمی تقاضا سے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر ابنِ خلدون کے اس موقف کے جواب میں ایک کتاب "ابراز الوهم المكنون من كلام ابن خلدون" کے نام سے بھی سامنے آئی۔ حضرت مولانا بدرِ عالم نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مہدی کا دور کیا ہوگا اسے یوں سمجھئے:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

ہم اہلِ سنت کے دورہ حدیث کے طالب علموں کو ایک نصیحت کئے بغیر دوازدہ احادیث کی اس بارھویں حدیث سے فارغ نہیں ہو سکتے کہ آپ شیعہ کی تردید میں ان کے اعتراضات اور سوالات کا جواب دینے میں ہی نہ لگے رہیں، اس وقت خود شیعہ مذہب کی اپنی کتابوں سے انہیں بے نقاب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ أيدكم الله بنصره العزيز۔

اس پر ہم دوازدہ احادیث کی بحث کو ختم کرتے ہیں۔ ان کی اپنی کتابوں کے مطالعہ کے بغیر ان کی تردید کی اور کوئی راہ نہیں۔ اپنے ذہن کو ان کے پیدا کردہ شبہات سے بچانے کے لئے ان دوازدہ احادیث کے بار بار مطالعہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

والسلام خیر الختام

مؤلف عفا اللہ عنہ